مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ
الامداد
لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶ | ذی الحجۃ ۱۴۳۶ھ | اکتوبر ۲۰۱۵ء | شمارہ ۱۰

راحت القلوب
ملقب بہ
ہدیۂ مرغوب
اطمینانِ قلب کا بہترین تحفہ

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۲۰ روپے
زرسالانہ =/۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

راحت القلوب ملقب به هدیۂ مرغوب

اطمینانِ قلب کا بہترین تحفہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱......	تمہید....................................	۹
۲......	مسلمانوں کی دینی بدحالی..........................	۱۰
۳......	علم کا ذوق....................................	۱۱
۴......	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب استاد..............	۱۲
۵......	تعلیم میں تدریج..........................	۱۳
۶......	اعمال آخرت میں دنیاوی منافع....................	۱۴
۷......	ارتکاب گناہ میں دنیا کا نقصان....................	۱۴
۸......	دین و دنیا کا فائدہ..................................	۱۵
۹......	طالب حق کا مذاق................................	۱۶
۱۰......	ہمارا مذاق وطرز..................................	۱۷
۱۱......	وصول رشوت کا انوکھا انداز........................	۱۷
۱۲......	مقصود اصلی کا اہتمام..............................	۱۸
۱۳......	اصلی زندگی اور اصلی گھر............................	۱۹
۱۴......	علماء پر لوگوں کے اعتراضات......................	۲۱
۱۵......	لوگوں کا مذاق..................................	۲۱
۱۶......	ہر شخص چین وسکون کا طالب ہے....................	۲۲

۱۷.....	اختلاف مقاصد کی مثال....................	۲۳
۱۸.....	ہر شخص راحت کا طالب ہے......................	۲۴
۱۹.....	لوگوں کے مختلف احوال......................	۲۶
۲۰.....	علم حقیقی................................	۲۷
۲۱.....	غوث پاک کا حال......................	۲۸
۲۲.....	دنیادار کوئی راحت میں نہیں.....................	۲۹
۲۳.....	حکایت.................................	۳۰
۲۴.....	دنیا کی زیادتی باعث مصیبت..................	۳۱
۲۵.....	جوتے نفع میں	۳۲
۲۶.....	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو فضول اشیاء سے پریشانی.....	۳۳
۲۷.....	کثرت سامان کی خرابی....................	۳۴
۲۸.....	مرتے وقت کی پریشانی......................	۳۵
۲۹.....	خودساختہ ضروریات......................	۳۶
۳۰.....	فضولیات سب عذاب ہیں.....................	۳۶
۳۱.....	مال واولاد کی کثرت باعث پریشانی..................	۳۷
۳۲.....	حیات خضر............................	۳۸
۳۳.....	ہمارے خضر............................	۳۸
۳۴.....	دنیا میں بے فکری ممکن نہیں.....................	۳۹
۳۵.....	بے فکرے کی تلاش......................	۴۰
۳۶.....	ایک جوہری کی حکایت......................	۴۱

۳۷.....	آخرت کی درستگی کی دعاء..........	۴۳
۳۸.....	دنیا میں کسی کو بیفکری میسر نہیں..........	۴۳
۳۹.....	یادِ خدا کے معنی..........	۴۴
۴۰.....	سکون کا ذریعہ یاد خدا..........	۴۴
۴۱.....	مصیبت میں راحت..........	۴۵
۴۲.....	اہل اللہ کا ایمان وحال..........	۴۶
۴۳.....	اولاد کی موت پر اہل اللہ کا صبر..........	۴۸
۴۴.....	حضرت حاجی صاحب کے انتقال کا صدمہ..........	۴۹
۴۵.....	حالت غم میں معمولات کی پابندی..........	۴۹
۴۶.....	اہل اللہ کا اطمنان واعتقاد..........	۵۰
۴۷.....	شیخ فریدالدین عطار کا حال..........	۵۱
۴۸.....	اہل اللہ کی دولت..........	۵۲
۴۹.....	اہل اللہ کے اطمنان کی پہچان کا طریقہ..........	۵۲
۵۰.....	محبوب حقیقی کے لئے مصائب کو برداشت کرنا..........	۵۳
۵۱.....	اپنی پوری کوشش کرو..........	۵۵
۵۲.....	تفویض اختیا کرو..........	۵۶
۵۳.....	نفس کو جبراً گناہ کرنے سے روکو..........	۵۷
۵۴.....	حقیقی راحت ذکراللہ میں ہے..........	۵۹
۵۵.....	اہتمامِ آخرت..........	۶۰
۵۶.....	بغیر شیخ اصلاح ممکن نہیں..........	۶۱

۵۷.....	حقیقت بیعت.....................................	۶۲
۵۸.....	جاہل پیر کا حال.....................................	۶۳
۵۹.....	پیر و مرید کا تعلق.....................................	۶۴
۶۰.....	حقیقت کشف.....................................	۶۵
۶۱.....	مشائخ سے اپنا حال بیان کرو.....................................	۶۵
۶۲.....	شیخ سے رجوع کا طریقہ.....................................	۶۶
۶۳.....	خاص بندوں میں داخل ہونے کا طریقہ..............	۶۸
۶۴.....	لذت کی پڑیا.....................................	۶۹
۶۵.....	حکایت.....................................	۷۲
۶۶.....	خلاصہ طریق.....................................	۷۲

وعظ

(راحت القلوب ملقب بہ ھدیۂ مرغوب)

اطمینانِ قلب کا بہترین تحفہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے بروز جمعۃ المبارک ۲۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ کو جامع مسجد قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر یوپی ہند میں وعظ ''راحت القلوب مقلب بہ ہدیہ مرغوب'' ارشاد فرمایا۔ موضوع تھا کہ ہر شخص راحت کا طالب ہے۔ جس کے لئے لوگ مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں مقصود سب کا ایک ہی ہے۔ اور حقیقی راحت صرف ذکر اللہ میں ہے۔ اگر کسی کو دین و دنیا کی راحت مطلوب ہے تو ذکر اللہ کا اہتمام کرے جس کا طریق اہل اللہ سے تعلق قائم کرنا اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنا ہے۔

بہت عمدہ وعظ ہے ہر خاص و عام کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مستفیدین کو عمل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی
یکم شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾(۱)

تمہید

یہ ایک جملہ ہے جو ایک آیت کا جزو ہے اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک بڑی ضرورت کی چیز بتلائی ہے وہ ایسی ضرورت کی چیز ہے کہ فقط دین ہی کی ضرورت کی چیز نہیں بلکہ دنیوی ضرورت کی بھی چیز ہے۔ مجھ کو اس حیثیت سے کہ میں یہاں احکام الٰہی پہنچانے کے لئے حاضر ہوں دنیوی ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر کیا کیا جائے ہمارے بھائیوں کا مذاق ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ جب تک ان کو دین کے ساتھ دنیا کی چاٹ نہ دی جاوے دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ خالص دین کی طلب کو اکثر نظر تحقیر(۲) وانکار سے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی بیچارہ مولوی محض آخرت کی طرف بلاتا ہے تو اس کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اور

(۱) سورۃ الرعد: ۲۸ (۲) حقارت کی نظر سے۔

اعتراض کرتے ہیں کہ بس مولویوں کو تو آخرت ہی آخرت یاد رہ گئی ہے دوسری قومیں دنیا میں کیا کیا ترقی کررہی ہیں اور مسلمان ہیں کہ روز بروز گرتے ہی چلے جارہے ہیں لیکن ان مولویوں کو اس سے کچھ بحث نہیں انہوں نے تو بس ایک آخرت ہی یاد کرلی ہے۔ یہ تو خوش عقیدوں کا حال ہے۔

مسلمانوں کی دینی بدحالی

ورنہ بہت سی جماعتیں مسلمانوں میں اب ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہوچکی ہیں جو صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں آخرت ہی میں شک ہے اور پھر بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اسلام کیا چیز ہے کہ کفر بھی اس کا ایک فرد ہے (۱) خیر اُن کا تو ذکر ہی نہیں کیونکہ عام لوگ بھی انہیں مسلمان نہیں سمجھتے لیکن ان کی بھی (جو آخرت کے قائل ہیں) یہ حالت ہے کہ آخرت اور امور آخرت کو گو اعتقاد کے درجہ میں خفیف (۲) نہیں سمجھتے لیکن معاملہ کے درجہ میں ضرور خفیف سمجھتے ہیں، یعنی جو وقعت اور اہتمام دنیا کا ہے آخرت کا نہیں۔ اس قدر تو کیا معنی اُس کا دسواں حصہ بھی نہیں، پھر غضب یہ ہے کہ اس عدم اہتمام کا کچھ غم بھی نہیں اگر اس حالت پر تاسف (۳) ہی ہوتا اپنی کوتاہی کا احساس ہی ہوتا، اس کی تمنا ہوتی کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ طلب آخرت پیدا ہوجائے تو خیر غنیمت تھا، کبھی اہتمام کی بھی نوبت آجاتی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آخرت سے بھی بے فکری اور اس کے فکر سے بھی بے فکری۔ اس پر بھی افسوس نہیں کہ ہم کو اس کی فکر نہیں چنانچہ آخرت کی تعلیم پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور اس کی ذرا وقعت نہیں ہوتی، کہتے ہی کہ مولویوں نے تو آخرت ہی آخرت یاد کرلی ہے بچوں کو آخرت کی تعلیم دینے کے وہ یہ معنی سمجھتے ہیں

(۱) ایک شاخ ہے (۲) ہلکا (۳) افسوس۔

کہ وہ بچہ دنیا سے بالکل ہی بیکار ہو جائیگا۔ایک بڑی کمی ہوگئی ہے ہم میں کہ آخرت کے متعلق یہ خیال جم گیا ہے کہ اس میں لگ کر آدمی دنیا سے بالکل بیکار ہو جاتا ہے، بخلاف دنیا کے کہ اس کی طلب میں دن رات منہمک ہیں اور اس مشغولی میں دین سے جو کچھ غفلت ہے ظاہر ہے، لیکن وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس میں پھنس کر آدمی دین سے بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔

علم کا ذوق

غرض دنیا کو ہم لوگوں نے ایسا قبلہ توجہ بنا رکھا ہے کہ مصلح کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، کہ جب آخرت کی ترغیب دی جائے تو اس میں دنیا کا بھی نفع بتلایا جائے اور جب اعمال کے فضائل بیان کئے جائیں تو ان میں دنیاوی منافع بھی دکھلائے جائیں کہ شاید اسی لالچ میں آخرت کی طرف توجہ ہو جائے، جیسے بچے کہ انہیں پہلے پہلے جب گلستان بوستان (۱) پڑھاتے ہیں ان کو چاٹ مٹھائی کی دی جاتی ہے، شروع میں سبق پڑھتے ہیں مٹھائی کے لالچ میں لیکن جب پڑھتے پڑھتے ایک ذوق علم کا پیدا ہو جائے گا تب وہی کہیں گے کہ ہمارے کپڑے اتار لو، تم ہمیں سے مٹھائی لے لو لیکن سبق پڑھا دو ایک وہ دن تھا کہ مٹھائی کے لالچ سے پڑھتا تھا آج وہ نوبت ہے کہ جب کتاب کا سبق ہوتا ہے تو نہایت شوق سے پہنچتا ہے۔اور استاد سے منتیں کرتا ہے کہ لِلّٰہ میری طرف توجہ کیجئے کہیں راضی کرنے کے لئے مٹھائی پیش کرتا ہے کہیں طرح طرح کی خدمتیں کرتا ہے، کبھی استاد اس پر ناخوش بھی ہوتا ہے لیکن ذرا ناگوار نہیں ہوتا، بلکہ جس قدر اپنے معلم کو دیکھے کہ مارتا ہے جھنجلاتا ہے خوش ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے بہت توجہ ہے وہ اس کو علامت توجہ کی قرار دے کر اور الٹی مٹھائی

(۱) فارسی کی دو کتابیں۔

پیش کرتا ہے۔ دیکھئے یہ وہی بچہ ہے کہ جو مٹھائی لے لے کر بمشکل پڑھتا تھا۔ آج وہ دن ہے کہ خود مٹھائی دیکر پڑھ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ اب اسکو علم کا چسکا لگ گیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب استاد

اب اپنے بچپن کی حکایت یاد آئی۔ میرٹھ کا ذکر ہے والد صاحب نے میرے استاد کو جن سے میں قرآن شریف یاد کرتا تھا علیحدہ کرنا چاہا ہمیں حفظ کا شوق ہوگیا تھا نہایت شاق (۱) گذرا۔ بس شورو واویلا کرنا شروع کردیا ہر چند والد صاحب نے سمجھایا کہ دوسرے حافظ جی بلادیں گے ڈانٹا بھی لیکن ایک نہ سنی کہ میں تو انہیں سے پڑھوں گا آخر عاجز ہوکر چلے گئے، کہنے لگے کہ خدا جانے لونڈے کو کیا کھلا دیا ہے کہ مسخر ہی ہوگیا، غرض مغلوب ہوکر ہار کر چلے گئے۔ حالانکہ وہ حافظ جی ایسے خفا ہوتے تھے کہ اس زمانہ میں جبکہ مولویت کا نام بھی ہوگیا تھا اور سچ مچ کی مولویت تو اب بھی نصیب نہیں ہوئی میں ایک دفعہ میرٹھ گیا تھا اور ان کو دور میں کلام مجید سنا رہا تھا متشابہ لگا۔ حافظ جی کو جوش آ گیا بس اٹھ کر ایک زور سے دھپ (۲) دیا منہ پر۔ الحمدللہ ذرا ناگوار نہیں ہوا۔ نیچی نگاہ کئے چپ بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد حافظ جی ہاتھ جوڑ کر سامنے بیٹھ گئے کہ لِلّٰہ معاف کردو میں نے سخت بے ادبی کی تم مولوی ہو۔ میں نے کہا حضرت یہ آپ کیا فرماتے ہیں یہ جو کچھ حاصل ہوا ہے سب آپ ہی کا طفیل ہے، آپ کو ساری عمر مارنے کا حق ہوگا، واقعی مجھے مطلق ناگوار نہیں گذرا۔ لیکن حافظ جی بیچارے ایسے شرمندہ تھے کہ نگاہ نہیں اٹھتی تھی۔ میں نے بہت کچھ عرض و معروض کیا مگر نہیں مانے معاف ہی کرا کر چھوڑا۔ تو جناب میں نے اس پٹنے پر ایسا فخر کیا کہ آج اپنی اس ذلت کو سب کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ محض یہی

(۱) بہت برا لگا (۲) منہ پر تھپڑ مارا۔

بات تھی کہ جس چیز کے سبب یہ سب کچھ ہوا اس کا شوق تھا اگر اس سے زیادہ بھی کر لیتے سب گوارا ہوتا۔ ہندی مثل بھی تو ہے کہ دودھ دیتی گائے کی لات بھی اچھی معلوم ہوتی ہے حضرت عطار اسی کو فرماتے ہیں ؎

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر(۱)

تعلیم میں تدریج

جس شخص کو کسی ایسی چیز کی طلب ہو جس کو وہ ضروری سمجھتا ہو اس کو اس کے حاصل کرنے کے لئے سب ہی کچھ گوارا ہوگا۔ بچوں کے ساتھ یہ گھیر گھار تو جبھی تک ہے جب تک انہیں سمجھ نہیں، جب اپنا نفع نقصان سمجھنے لگے تو پھر خود پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اس کے لیے کہ اول تو کچھ لالچ ہی دینے سے رستہ پر آسکتا ہے۔ جب فہم درست ہوگئی تو پھر ضرورت ہی کیا ہے لالچ دینے کی، پھر ضابطہ کا برتاؤ ہوتا ہے پھر ہم کیوں خوشامد کریں اور کیوں ان کے پیچھے پیچھے پھریں انہیں کی غرض ہے وہی ہماری خوشامد کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں تعلیم کے اندر تدریج کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ اول میں مضامین اور طرح کے ہیں یعنی احکام بہت ہی کم بس تھوڑے تھوڑے اور کہیں کہیں ہیں شروع میں زیادہ تر عقیدوں کی درستی کی گئی ہے پھر آہستہ آہستہ جس قدر سہار ہوتی گئی احکام نازل ہوتے گئے۔ جیسے اول بچہ کو دودھ دیتے ہیں پھر کچھ دن بعد جب معدہ میں قوت آچلی تو کچھ حلوا دینے لگے پھر کچھ روز روٹی چور کر کھلائی اتنے میں دانت نکل آئے اور کچھ چلنے لگا اب ایک آدھ ریشہ بوٹی کا بھی دینا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ خوب گوشت روٹی پلاؤ زردے سب ہی کچھ کھانے لگا پھر تو ماشاء اللہ یہ حالت ہوگئی کہ جو کچھ بھی اور جتنا کچھ کھالیا بس

(۱) تم اچھا کہو یا برا مجھے سب پسند ہے۔

بیٹھے بیٹھے سب ہضم۔اگر اول ہی بچہ کو حلوا اور گوشت روٹی کھلا دی جائے تو بجز اس کے کہ اس غریب کی امعاء (۱) پھٹ جائیں اور کیا ہوگا۔

اعمال آخرت میں دنیاوی منافع

اسی طرح حق تعالیٰ نے تعلیم میں نہایت تدریج اختیار فرمائی ہے جیسا مذاق مکلّف کا دیکھا ویسی ہی اس کو ترغیب دی ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے جابجا جہاں ثمرات آخرت کا ذکر فرمایا ہے وہاں طاعات پر جو دنیاوی ثمرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی بیان فرمایا ہے۔ارشاد ہے:﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (۲) یعنی اگر یہ لوگ احکام کا پورا اتباع کرتے تو ان کو اوپر سے بھی کھانے کو ملتا اور نیچے سے بھی کھانے کو ملتا یعنی اوپر سے بارش نیچے سے پیداوار تو دیکھئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کھانے پینے کے لئے نہیں ہے۔کھانا تو کافروں کو بھی ملتا ہے بلکہ بہائم کو بھی اور وہ بھی کسی قدر بلا مشقت مگر پھر بھی کیوں ذکر فرمایا اسی واسطے کہ خیر کوئی کھانے پینے کا لالچی اسی طرح آجائے اس طرف۔دیکھئے ارشاد خداوندی سے معلوم ہوا اعمال آخرت کے اندر دنیاوی منافع بھی ہیں۔

ارتکاب گناہ میں دنیا کا نقصان

اسی طرح معاصی کے اندر دنیا کی مضرت (۳) بھی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:اِنَّ الْعَبْدَ لیحرم الرِّزْق بِخَطِيَّةٍ يَعْلَمُهَا ۔دیکھئے بسبب گناہ کے زرق کا گھاٹا بھی ہوجاتا ہے اس سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں اس کی تفصیل بقدر ضرورت میرے رسالہ جزاء الاعمال میں ملے گی اس میں یہ

(۱) آنتیں پھٹ جائیں (۲) سورۃ المائدۃ:۶۶ (۳) نقصان۔

دکھلا دیا گیا ہے کہ طاعات میں دنیا کے کیا کیا منافع ہیں (۱) اور معاصی میں دنیا کی کیا کیا مضرتیں ہیں (۲) اس کے لکھنے سے میری یہی غرض تھی کہ لوگ دنیا ہی کے نفع نقصان کو سوچ کر دین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

دین و دنیا کا فائدہ

اسی طور پر حق تعالیٰ نے یہاں بھی ایک چیز بتلائی ہے جو دنیا کے نفع کی بھی ہے اور دین کے نفع کی بھی۔ ظاہر بات ہے کہ جو دین اور دنیا دونوں کے نفع کی ہو وہ بڑی ہی ضرورت اور کام کی چیز ہوگی۔ فرماتے ہیں ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ یاد رکھو سمجھ رکھو (یہ مدلول ہے کلمہ الا کا) حصر کے ساتھ فرماتے ہیں (یہ مدلول ہے تقدیم معمول کا) کہ خدا ہی کی یاد کے ساتھ دلوں کو چین ملتا ہے۔ فقط ایک چیز ہے جس سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ تمام عالم میں چراغ لیکر ڈھونڈھ آؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی کیونکہ ظاہر حصر سے حقیقی ہی ہے (اس کے بعد حصر حقیقی اور حصر اضافی کی نفیس بحث تھی) اور اصل حصر میں حقیقی ہی ہوتا ہے بلا ضرورت دلیل اضافی مراد نہیں لیا جاتا اور یہاں حصر کے اضافی ہونے کی کوئی دلیل ہے نہیں نیز اور کسی چیز کا موجب اطمینان ہونا بھی ثابت نہیں جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا جب مشاہدہ ہے حصر کے حقیقی ہونے کا پھر اضافی کیونکر ہوا۔ غرض یہاں کوئی دلیل نہیں کہ عدول کیا جائے حصر کے حقیقی ہونے سے جب کوئی دلیل نہیں اور مشاہدہ بھی اسکا موید تو اس کو حقیقی ہی کہا جائے گا لہذا خدا کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سوائے اس کی یاد کے چین کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ قرار اور سکون اگر ملتا ہے تو خدا ہی کی یاد سے۔ اس کے بیان فرمانے میں بہت اہتمام فرمایا ہے چنانچہ ''الا'' سے کلام شروع کیا یعنی دیکھو ہوشیار ہو کر سن لو اور سمجھ لو یاد کر رکھو خدا ہی کی یاد ایک ایسی

(۱) فائدہ (۲) نقصان۔

چیز ہے جس سے قلوب کو چین ملتا ہے دنیا بھر میں کوئی اور چیز ایسی نہیں جو قلب کو راحت پہنچا سکے۔ واقعی بہت بڑا دعویٰ ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس میں قلوب (۱) کا چین منحصر ہے۔ اس ترجمہ سے مقصود آج کے بیان کا معلوم ہوگیا ہوگا۔ غرض حصر کے ساتھ فرماتے ہیں ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ کہ سوائے یاد خدا کے کسی چیز میں قلوب کا چین نہیں۔ اور ہر چند کہ ترجمہ سے تو مقصود ترغیب ہی ہے ذکر کی لیکن قرینہ مقام سے خود ترغیب سے مقصود اس کا امر کرنا اور اسکا ضروری بتلانا ہے اس بناء پر اُس کے متعلق میرے ذمہ دو باتیں ثابت کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اللہ ضروری چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے سوائے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس میں قلوب کو چین حاصل ہو سکے اول جز و ضروری ہوتا ہے سو ضرورت اس کی بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس میں دنیا کا بھی نفع ہے اور دین کا بھی نفع ہے پھر اس سے زیادہ کیا ضرورت کی چیز ہوگی ذرا توجہ کرے تو ہر شخص اس کی ضرورت کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ جو چیز دنیا اور آخرت دونوں کے کام کی ہو ظاہر ہے کہ وہ بہت ہی ضرورت کی چیز ہے خیر آخرت کو ابھی رہنے دیجئے دنیا ہی کے نفع کو دیکھئے اسی سے شاید آخرت کی رغبت ہو جائے۔

طالب حق کا مذاق

حالانکہ آخرت اور دنیا میں مسلمان کو ایسا علاقہ رکھنا چاہیئے تھا کہ اگر کسی چیز میں دنیا کا نفع بتلایا جاتا تو جب تک آخرت کا نفع نہ معلوم ہو جاتا مسلمان کو اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اگر دنیا کے نفع کی چیز کی طالب حق کو رغبت دلائی جاتی تو وہ یہ سوال کرتا کہ اسمیں کچھ دین کا بھی فائدہ ہے اور اگر دین کا فائدہ کچھ نہ بتلایا جاتا تو وہ یہ کہتا کہ جب دین ہی کا نفع نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں اور اس

(۱) دلوں کو۔

طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر کسی کام میں یہ کہا جاتا کہ اسمیں دین کا فائدہ تو ہے لیکن دنیا کا نفع کچھ بھی نہیں تو طالب حق کی یہ شان تھی کہ فوراً اس کی زبان سے نکلتا کہ خیر بھائی دین کا فائدہ چاہیئے دنیا کا نفع نہیں ہے نہ سہی اور بے تامل اُس کام کو کر لیتا۔

ہمارا مذاق وطرز

اب معاملہ بالکل برعکس ہورہا ہے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ آج اگر ہم آخرت کی تعلیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اعمال آخرت کی ترغیب دیتے ہیں تو ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیوں صاحب کچھ دنیا کا بھی نفع ہوگا۔ اب اس کے جواب کی فکر ہوتی ہے۔ واللہ مجھے تو بہت ہی شرم آتی ہے کہ اعمال آخرت میں دنیاوی منافع بیان کروں لیکن کیا کروں مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔ ہمارے ایک عزیز تھے سب انسپکٹر نہ نماز نہ روزہ۔ ان کی بیوی بیچاری بڑی نیک بخت اور نمازی تھی۔ اُس نے جو اپنے میاں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ تو اتنے دن سے نماز پڑھتی ہے تجھے کیا وصول ہوا جو مجھ کو وصول ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ وہ وصول ہونا اسے سمجھتے تھے جیسا کہ ایک صاحب کو وصول ہوتا تھا۔

وصول رشوت کا انوکھا انداز

کوئی عہدہ دار تھے بڑے وظیفچی، ایک بزرگ سے بیعت تھے ان کے یہاں بالائی آمدنی کا خوب بازار گرم رہتا تھا جس کا مبارک نام رشوت ہے بالائی آمدنی، دست غیب اس کے آداب والقاب ہیں۔ دست غیب تو کیا ہوتا دست عیب کہیئے ۔ طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک گویا مابین الطلوعین (۱) اس کا ایک وقت مقرر تھا

(۱) صبح صادق ہونے سے لیکر سورج نکلنے تک اس کا وقت تھا۔

صبح کی نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھ کر ادھر انہوں نے وظیفہ شروع کیا اُدھر روپیوں کا مینھ برسنا شروع ہوگیا۔ موٹے موٹے دانوں کی تسبیح کھٹ کھٹ کر رہے ہیں اور خادم لوگوں کو لا لا کر پیش کر رہا ہے اشاروں سے سب معاملات طے ہوتے ہیں کیونکہ اگر بول پڑیں تو وظیفہ نہ خراب ہوجائے۔ رشوت سے تو وظیفہ نہ بگڑا اور بولنے سے بگڑتا ہے انگلیوں کے اشاروں سے بتلاتے تھے کہ دوسو یا تین سو یا کس قدر مگر بولتے نہیں تھے کیونکہ اگر بول اٹھیں تو وظیفہ نہ بگڑ جائے۔ بعضوں کا تقویٰ کلابی (۱) ہوتا ہے۔ یعنی کتے کا سا تقویٰ کہ منہ کو نجاست سے بچاتا نہیں مگر پیشاب جب کرے گا تو ٹانگ اٹھا کر کہ کہیں چھینٹیں نہ پڑجائیں بیچارہ بہت ہی محتاط اور متقی ہے ٹانگ کی تو اتنی حفاظت کہ پیشاب کے چھینٹے بھی نہ پڑنے پائیں اور منہ سے گوہ کھاتا ہے تو بعضوں کے تقویٰ کی یہی حالت ہوتی ہے چنانچہ ان صاحب کا بھی ایسا ہی تقویٰ تھا کہ رشوت سے تو وظیفہ نہ بگڑتا تھا لیکن بولنے سے بگڑتا تھا اس لئے اشاروں سے معاملے طے کئے جاتے تھے اہل مقدمہ آیا سلام کیا کہا حضور لایا ہوں زبان سے بول نہیں سکتے مصلےٰ اٹھادیا کہ نیچے رکھدو۔ پچاس ساٹھ جیسی قسمت ہوئی۔ یہ تھی نماز بارآور، وہ سب انسپکٹر بھی ایسی ہی نماز چاہتے تھے بیوی سے پوچھتے کہ تمہاری بھی ایسی ہی نماز ہے یا خالی خولی ٹکر ہی ہیں۔ ایسی نماز سے سوائے اس کے کہ گھر بار، کاروبار کا حرج ہو اور کیا حاصل ہوا۔

مقصود اصلی کا اہتمام

یہی ہمارے بھائیوں کا حال ہے کہ جب دین کی رغبت دیجاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ دنیا بھی ملے گی۔ میں دنیا کی تحصیل سے منع نہیں کرتا لیکن یہ بھی تو

(۱) بعض لوگ ایسے متقی ہوتے ہیں جیسے کتا۔

دیکھنا چاہیئے کہ مقصود اصلی کیا چیز ہے کیوں صاحب میں کہتا ہوں ہر شے اپنے مرتبہ پر ہونی چاہیئے۔ یہ مسئلہ تمام عقلاء کا مسلمہ ہے۔ جب یہ ہے تو دنیا اور آخرت میں بھی فرق مراتب ضروری ہے۔ دونوں کو اپنے مرتبہ پر رکھو۔ دیکھئے ایک چیز تو ایسی ہو جو صرف دس دن کا کام آوے اور دوسری چیز ایسی ہو جس کی عمر بھر ضرورت پڑے تو کیا دونوں کو ایک ہی مرتبہ پر رکھو گے، ہرگز نہیں ایک تو مستقل رہنے کا مکان ہوتا ہے اور ایک سرائے ہوتی ہے کیا دونوں کے ساتھ ایک ہی سا معاملہ ہوتا ہے۔ مظفر نگر میں مقدمہ ہے یا کچھ اور کام ہے تو سرائے میں تین چار دن کے لئے قیام کرتے ہیں اگر وہاں کی چارپائی کی پٹی ٹوٹی ہوئی ہو تو پٹی تو بنوائیں گے لیکن یہ نہ دیکھیں گے کہ سال (۱) ہی کی ہو اور رندہ (۲) بھی کی ہوئی ہو اور چارپائی کا بان بھی باریک ہو اس کی بناوٹ میں پھول بھی پڑے ہوئے ہوں بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ضرورت سے گذر کر آسائش پر بھی نظر کرلیں گے ذرا کسی ہوئی ہو قبر سی نہ ہو غرض ضرورت پر نظر ہوگی زینت پر نہ ہوگی کیونکہ تین دن کا گھر ہے۔ ایک اپنا وطن ہے۔ وہاں مکان بناتے ہیں تو اسمیں چالیس پچاس ہزار روپیہ صرف کرتے ہیں نہایت عالیشان عمارت ہوتی ہے اُسمیں زینت بھی تجمل بھی سبھی کچھ ہوتا ہے اگر کوئی مظفر نگر کی سرائے میں اپنے وطن کے مکان کا سارا ساز و سامان لاکر لگادے اور سرائے کو سجادے تو کیا نتیجہ ہوگا اگلے دن سرائے کا نوکر اس کو نکال باہر کرے گا اور تمام جہان اس کو احمق کہے گا کہ دیکھو اپنے اصلی گھر کے سامان کو چندروزہ سرائے کی نذر کردیا۔

اصلی زندگی اور اصلی گھر

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا اصلی گھر کونسا ہے ظاہر ہے کہ آخرت ہی ہمارا

(۱) عمدہ لکڑی (۲) رندہ کی ہوئی۔

اصلی گھر ہے۔ اگر آخرت پر عقیدہ نہ ہو تب بھی موت کا تو انکار ہی نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے بعض فرقوں نے خدا کا بھی انکار کیا لیکن موت کا سب کو قائل ہونا پڑا اور وہ بھی اختیار میں نہیں کسی کو خبر نہیں کہ کب موت آجاوے اور طوعاً وکرہاً دنیا کو چھوڑنا پڑے موت ایسی زبردست چیز ہے کہ اسکا سب کو قائل ہونا پڑا ہے اور بالخصوص مسلمان کو، وہ تو موت کے بعد آخرت کی زندگی کے بھی قائل ہیں جو یقینی پیش آنے والی ہے اور زندگی طویل بھی اتنی ہے کہ جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ بس وہیں کی زندگی اصلی زندگی ہے اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے۔ اس کا سامان ہمارے اعمال ہمارا دین ہماری طاعات ہیں ان کو ہم عارضی گھر یعنی دنیا جو وہاں کے مقابلہ میں سرائے سے بھی بدرجہا کم ہے اُس کی نذر کررہے ہیں اور ہم نے جو کم کہا وہ اس لئے کہ فرض کیجئے اگر گھر پر پچاس برس عمر ہوئی تو سرائے کے چار دن کو پچاس برس کے ساتھ کچھ تو نسبت ہے، لاکھواں کروڑواں کوئی تو حصہ ہوا آخر دونوں متناہی ہیں(۱)۔ برخلاف اس کے دنیا اور آخرت میں وہ بھی تو نسبت نہیں۔ بہت سے بہت دنیا کی عمر سو برس۔ آخرت کی ہزار کروڑ سنکھ مہاسنکھ۔ جتنا بھی گن سکیں گے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وہاں کی عمر۔ بس اتنی بڑی عمر جس گھر میں گذارنی ہے یہ اس کے سامان کو اس چندروزہ سرائے دنیا پر نثار کررہے ہیں۔ اسی طرح سے کہ اگر کسی نے مکان تعمیر کرایا تو حلال حرام کی مطلق پروانہ کی۔ ایمان بھی گھر میں لگادیا دین بھی سامان بہم پہنچانے میں صرف کردیا۔ نماز بھی اسکی نذر کردی غرض بالکل ایسی مثال ہے کہ گھر کی ساری ریاست مظفر نگر کی سرائے میں لگادی۔ دوسرے تیسرے دن سرائے کے بھٹیارہ(۲) نے کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اور پھر اپنے کو سمجھتے ہیں کہ بڑے عاقل ہیں۔ اتنا بڑا مکان بنوا ڈالا۔

(۱) دونوں ہی ختم ہونے والے ہیں (۲) مالک سرایہ نے۔

علماء پر لوگوں کے اعتراضات

اور اگر کوئی مولوی اسکی برائیاں بیان کرتا ہے تو اس کا نام زاہد خشک رکھا جاتا ہے اور ایسے مولویوں کو نئے نمازی اہدیوں کی پلٹن (۱) نکمّے۔ اپاہج۔ ضرورت زمانہ سے ناواقف۔ بیوقوف۔ بدتہذیب نہ معلوم کیا کیا لقب دیئے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ کسی کام کے نہیں۔ ایک صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ مسلمانوں نے پانی سے صرف یہی کام لیا کہ وضو کرلی غسل طہارت کرلی۔ نہ بھاپ نکال کر مشینیں چلائیں نہ انجن ایجاد کئے اُن سے خدا تعالیٰ کے یہاں باز پرس (۲) ہوگی۔ لو صاحب خدا تعالیٰ اس پر بھی مواخذہ کرینگے کہ کلین (۳) کیوں نہیں جاری کی تھیں تو جنہوں نے سائنس سے کام لیا انہوں نے خدا کی مرضی کو سمجھا مسلمانوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ خدا کی پناہ نعوذ باللہ یہاں تک مذاق بگڑ گیا ہے کہ دنیا ہی کی ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اعمال آخرت میں بھی یہ پوچھتے ہیں کہ دنیا کا بھی نفع ہے یا نہیں جیسے میں نے ابھی سب انسپکٹر کی حکایت بیان کی۔ کتنی کایا پلٹ گئی ہے۔

لوگوں کا مذاق

حالانکہ مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیئے تھی کہ اگر اُس کو کسی چیز میں دنیا کے نفع کی ترغیب دی جاتی کہ بھائی اسمیں دنیا کا یہ نفع ہے فلانی غذا یا فلانی دوا بڑی طاقت بخش ہوتی ہے تو وہ فوراً سوال کرتا کہ طاقت حاصل کر کے مجھے کیا کرنا ہے یہ بتلاؤ کہ کچھ دین کا بھی بھلا ہوگا اور جب اُس کو یہ بتلا دیا جاتا کہ طاقت حاصل ہوگی تو عبادت کی قوت ہوگی پہلے سے زیادہ عبادت ہوسکے گی تب راضی ہوتا کہ اگر یہ بات ہے تو لاؤ کھالونگا۔ آج یہ سوال ہوتا ہے کہ نماز روزہ کرنے میں کچھ ٹکے بھی

(۱) نکمّوں کی فوج (۲) پوچھ گچھ ہوگی (۳) مشینیں کیوں نہیں بنائیں۔

ملیں گے۔ چنانچہ دنیا حاصل ہونے کے وظیفے اگر بتلائے جاتے ہیں تو نہایت شوق سے ان کو کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں یہ امید ہے کہ ٹکے بھی ملیں گے مجھ سے تو اگر کوئی بے نمازی دنیا کا وظیفہ پوچھتا ہے تو میں ایسا وظیفہ تجویز کر دیتا ہوں جس میں پانچوں نمازوں کے پڑھنے کی قید ہو، تاکہ اسی بہانہ سے نماز کی پابندی نصیب ہو جائے اور دنیا ہی کے طفیل آخرت کی طرف توجہ ہو جائے۔ اسی طرح یہاں بھی ایسی چیز حق تعالیٰ نے بتلائی ہے جس میں دین اور دنیا دونوں کا نفع ہے وہ چیز ذکر اللہ ہے۔

ہر شخص چین وسکون کا طالب ہے

اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس کی ضرورت ہے یا نہیں دین کی حیثیت سے اس کا ضروری ہونا تو ظاہر ہے دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے اعتبار سے بھی ضروری ہے یا نہیں دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ یہ ضرورت کسی اور چیز سے بھی حاصل ہوسکتی ہے یا نہیں اسکا ضروری ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا طالب ہے اور غور کر کے دیکھا جاوے تو سب لوگ اپنی اپنی طلب میں صورۃً مختلف ہیں معنیً مختلف نہیں دیکھئے ایک شخص اولاد کا طالب ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح میں صاحب اولاد ہو جاؤں دوسرا کسی بڑے عہدہ کا طالب ہے وہ اس دھن میں ہے کہ کسی صورت سے میں ڈپٹی کلکٹر ہو جاؤں یا جج ہو جاؤں تیسرا ترقی کا طالب ہے وہ اس فکر میں ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ دو چار گاؤں ہاتھ آجاویں اور رئیس اعظم ہو جاؤں ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس مکان بڑا عالیشان ہو جاوے۔ ایک شخص ہے کہ وہ رات دن اسی کوشش میں ہے کہ میری حکام میں وقعت ہو جاوے۔ آنریری مجسٹریٹ ہو جاؤں درباروں میں کرسی ملنے لگے۔ غرض دنیا ہی کے مقاصد

کو دیکھ لیجئے کہ ان میں کس قدر اختلاف ہے کوئی کسی چیز کا طالب ہے کوئی کسی چیز کا اور ہر شخص دوسرے کے مقصد کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ بھی کوئی طلب کرنے کی چیز ہے تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص ایک جدا چیز کا طالب ہے لیکن یہ بات نہیں بلکہ ان مقاصد کے محض نام مختلف ہیں۔ معنی مختلف نہیں غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ مقاصد صورۃً مختلف ہیں معنیً ان میں کوئی اختلاف نہیں درحقیقت یہ سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں۔ وہ چیز کیا ہے اس کا نام ہے چین ہر شخص بس چین کا طالب ہے۔ جو شخص بیقرار ہے اولاد کے لئے وہ سمجھتا ہے کہ اولاد ہوجاویگی تو میرے قلب کو چین ہوجاویگا۔ جو ترقی کا طالب ہے وہ خیال کرتا ہے کہ میرے پاس دس گاؤں ہوجاویں گے تو مجھے چین ہوجاویگا۔ غرض جو شخص جس چیز کا طالب ہے اسی لئے کہ اس کے مل جانے پر اس کے قلب کو سکون اور راحت ہوجاویگی خلاصہ یہ کہ چین اور راحت ہی کے سب طالب ہیں لیکن اس راحت کے حصول کے سامان اور ذرائع ہر شخص نے اپنے زعم کے موافق مختلف تجویز کرر کھے ہیں۔ ان کا اختلاف محض نام کا اختلاف ہے ؎

اختلافِ خلق از نام او فتاد چوں بہ معنی رفت آرام او فتاد(۱)

اختلاف مقاصد کی مثال

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کی عجیب مثال دی ہے کہ ایک سفر میں چار شخص کہیں رفیق ہوگئے تھے چاروں مختلف ملکوں کے رہنے والے ایک ترکی، ایک فارسی ایک عربی اور ایک رومی۔ کسی نے ایک درم جو چوانّی کی برابر ہوتا ہے سب کی خدمت میں پیش کیا۔ سب کا انگور کھانے کو جی چاہا لیکن لغت مختلف بولے۔ عرب بولا میں تو اس درم کا عنب لونگا۔ فارسی نے کہا نہیں میں تو انگور لونگا۔

(۱) یہ اختلاف صرف لفظی ہے معنی سب کے متفق و متحد ہیں۔

رومی نے کہا میں استافیل لوں گا۔ رومی زبان میں انگور کو استافیل کہتے ہیں چوتھے نے اور کچھ کہا جو یاد نہیں۔ ترکی زبان میں انگور کو جو کچھ کہتے ہوں۔ غرض آپس میں جھگڑا ہونے لگا ایک شخص آیا جو سب زبانیں جانتا تھا اُس نے کہا کہ اچھا صبر کرو میں اسی درم میں تم سب کی چیزیں خرید لاؤں گا۔ چنانچہ وہ درم لیکر بازار سے انگور خرید لایا۔ عرب سے کہا کہ لو یہ ہے عنب یا نہیں اُس نے کہا نعم۔ فارسی سے کہا کہ لو یہ ہے انگور یا نہیں اُس نے کہا آرے بلے بیشک اسی طرح سب نے اقرار کیا انگور ہی سب کا مقصود تھا لیکن لغت کے اختلاف سے اُس کے نام مختلف ہو گئے اس مقام پر مولانا فرماتے ہیں ۔

اختلاف خلق از نام اوفتاد چوں بہ معنی رفت آرام اوفتاد

ہر شخص راحت کا طالب ہے

ایک نے اپنے مقصود کا نام اولاد رکھا۔ دوسرے نے جائداد گاؤں، ملکیت ،تیسرے نے حکومت عہدہ اعزاز۔

لیکن معنی مقصود سب کے ایک ہی ہیں یعنی راحت ہر شخص راحت ہی کا طالب ہے راحت کی طلب وہ چیز ہے کہ اہل دنیا تو اہل دنیا اہل دین بھی اُسی کے طالب ہیں۔ چنانچہ آخرت کی راحت کا مقصود ہونا ظاہر ہے۔ خلاصہ اس تمام تقریر کا یہ ہوا کہ ہر شخص کو بالذات راحت اور چین ہی مقصود ہے گو بظاہر ہر شخص ایک مختلف چیز کا طالب نظر آتا ہو ظاہر کا اختلاف تو یہاں تک ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص ایک چیز کا طالب ہوتا ہے اور دوسرا طالب ہوتا ہے اُسی چیز کے عدم کا کیونکہ دنیا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں آزاد بھی ہیں پابند بھی بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ انہیں کہیں سے مثلاً بیس ہزار روپے مل جاویں تو وہ زندہ ہو جاویں اور مارے خوشی

کے پھولے نہ سماویں۔ برخلاف اس کے دوسرے کو اگر اتنا روپیہ ایک ساتھ مل جاوے تو اُسے تو وحشت ہونے لگے کہ اتنے سارے روپیہ کو آخر کروں گا میں کیا یہ کہاں کا بکھیڑا پیچھے لگ گیا تو بظاہر ایک شخص بیس ہزار کا طالب ہے، دوسرا طالب نہیں بلکہ اُس کے عدم کا طالب ہے لیکن حقیقت میں نہ وہ طالب ہے زر کا نہ بے زری کا۔ دونوں راحت کے طالب ہیں اُسے راحت ہے زر میں اسے راحت ہے بے زری میں۔دونوں راحت کے طالب ہیں اُسے راحت ہے زر میں اسے راحت ہے بے زری میں۔اسی طرح ایک شخص تو ایسا ہے کہ آنریری مجسٹریٹی اس کے سر مڑھی جاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ خدا کے لئے ہمیں معاف رکھو ہم نہیں چاہتے آپ کی آنریری مجسٹریٹی ۔ وہ سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے کہ اللہ مجھے معافی دیجئے میں یہ جھگڑا اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔دوسرا کوشش کر کے اس کو حاصل کرتا ہے اور حکام کی خوشامدیں کرتا پھرتا ہے کہ کسی طرح یہ عہدہ مجھے مل جاوے بظاہر دونوں متضاد چیزوں کے طالب معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دونوں ایک چیز کے طالب ہیں۔یعنی دونوں راحت کے طالب ہیں اس نے دیکھا کہ راحت اسی میں ہے کہ اس بکھیڑے سے الگ رہوں، کہاں کی مصیبت ہے خواہ مخواہ اپنا چین بھی کیوں کھویا۔ دوسرا اس میں راحت سمجھتا ہے کہ مجسٹریٹی مل جاویگی تو خوب تماشا مخلوق کا دیکھنے کو ملا کریگا۔طرح طرح کے مقدمے قسم قسم کے معاملات، ایک کو اس میں راحت ہے کہ تماشہ مخلوق کا دیکھے ایک کو اس میں راحت ہے کہ کسی کا تماشہ نہ دیکھے حکام نے ایک مسلمان رئیس کو نظر بند کرنا چاہا اس سے پوچھا کہ تم کہاں رہنا چاہتے ہو اس رئیس نے کہا کہ میں مکہ میں رہنا چاہتا ہوں چنانچہ اس کو مکہ میں نظر بند کر دیا گیا وہاں وہ رئیس کمبخت حج کے موسم میں سڑک پر کھڑے ہو کر عورتوں اور مردوں کو دیکھا کرتا ایک تو یہ حضرت تھے اور ایک وہ شخص ہے جو عورتوں اور مردوں

سے بچنے کے لئے بستی کو چھوڑ کر جنگل میں رہنا اختیار کرتا ہے ۔

بزرگے دیدم اندر کوہسارے نشستہ از جہاں در کنج غارے (۱)

چرا گفتم بشہر اندر نیائی (ایک مصرع یاد نہیں آتا)

بگفت آنجا پر یرویان نغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند (۲)

دیکھئے یہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ کسی کو نہ دیکھوں اور وہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ سب کو خوب دیکھوں۔ یہ اور بات ہے کہ رائے کس کی صحیح ہے اس کی اس وقت گفتگو نہیں میں ابھی یہ ثابت کر رہا ہوں کہ ہر شخص دراصل راحت کا طالب ہے۔

لوگوں کے مختلف احوال

اور لیجئے خلفاء کہ خلافت سے گھبراتے تھے بعضے سلطنت کے لئے لڑتے مرتے ہیں کسی نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے باپ کو مارڈالا۔ کسی نے بھائی کو قتل کر دیا ان کو اس میں راحت ہے ان کو اس میں گو ایک کی خیالی ہی ہو۔

اور سنئے ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

زاہد نداشت تاب جمالِ پری رخاں کنجے گرفت وترس خدارا بہانہ ساخت (۳)

باہر نکلتے ہیں تو حسینوں پر نظر پڑتی ہے جس سے دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں کہاں کی مصیبت ہے عافیت تو اسی میں ہے کہ کونہ میں بیٹھے رہو۔ اسی گوشہ نشینی کو کسی دوسرے پیرایہ میں شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

آنانکہ بہ کنج عافیت بہ نشستند دندان سگ ودہان مردم بستند

کاغذ بدریدند وقلم بشکستند وزدست وزباں حرف گیراں رستند

(۱) ایک بزرگ کو پہاڑ کی کھو میں بیٹھا دیکھا جو دنیا کو چھوڑ کر غار میں بیٹھے ہوئے تھے (۲) میں نے کہا شہر میں کیوں تشریف نہیں لاتے کہنے لگے وہاں حسین خوش گفتار چہرے موجود ہیں جہاں پھول زیادہ ہو جائیں وہاں ہاتیوں کے پاؤں بھی پھسل جاتے ہیں (۳) زاہد کو حسین چہروں کی تاب نہیں ہے عافیت اسی میں ہے کہ کونے میں پڑا رہے۔

اسی طرح بعضے روپیہ پیسہ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ وہ اس کے ذکر سے بھی گھبراتے ہیں۔ حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہجہاں بادشاہ ایک مرتبہ حاضر ہوا اور ایک بہت بڑی رقم نذر کی شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا اول تو میرا خرچ ہی کچھ نہیں پھر جو کچھ تھوڑی بہت حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھجوا دیتے ہیں میں اسے لیکر کیا کروں گا۔ شاہجہاں کے دل میں اس انکار سے شاہ صاحب کی بری وقعت ہوئی۔

علم حقیقی

ایک مولوی صاحب ہمراہ تھے۔ ایسے حضرات پر خشک ذی علم کو حسد ہوتا ہے انہوں نے سوچا کہ اُنکی تو بادشاہ کی نظر میں بڑی وقعت ہوگئی لاؤ کوئی عیب نکالوں۔ عیب نکالنے میں ایسے لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں جس وقت شاہ صاحب نے انکار کیا آپ کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَشيبُ المَرءُ وَيُشِبُّ فِيهِ خَصُلَتَانِ الْحِرُصُ وَطُولُ الْاَمَلِ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور اسکے اندر دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں حرص اور طول امل آپ بوڑھے ہیں لہذا آپ میں یہ دونوں خلصتیں ہونا لازمی ہیں کیونکہ حدیث کا غلط ہونا محال ہے لہذا یہ آپ کا تصنع ہے کہ باوجود حرص کے روپیہ لینے سے انکار کر رہے ہیں شاہ صاحب حرف شناس بھی نہ تھے لیکن سبحان اللہ کیا دندان شکن جواب دیا ہے فی البدیہ فرمایا کہ مولانا آپ حدیث کا مطلب ہی نہیں سمجھے نرے پڑھنے سے کیا کام چلتا ہے ع

مولوی گشتی و آگہ نیستی (۱)

حضور نے یشب (۲) فرمایا ہے تو جوان وہی ہوگا جو پہلے سے پیدا ہوا ہو۔

(۱) مولوی ہو گئے ہو لیکن جانتے نہیں ہو (۲) جوان ہونا فرمایا ہے۔

الحمدللہ میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج جوان ہوتی تم اپنی خبر لو کہ شروع ہی سے حرص تمہارے اندر پیدا ہوئی اور پرورش ہوتے ہوتے اب اس پر جوانی کا عالم ہے دیکھو آج تمہارے بڑھاپے میں اس پر کیا جوبن چڑھ رہا ہے۔ میرے اندر تو بفضلہٖ حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج بڑھاپے میں اس کے جوان ہونے کی نوبت آتی۔ اللہ اکبر کیا گہری بات فرمائی ہے علم حقیقی انہیں حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔اس کا مولوی صاحب سے کچھ جواب نہ بن پڑا شاہ صاحب کا بس منہ دیکھ کر رہ گئے بہرحال ایک وہ لوگ بھی ہیں جو روپیہ پیسہ سے گھبراتے ہیں۔

غوث پاک کا حال

ایک اور حکایت یاد آئی حضرت سیدنا غوث پاک کی خدمت میں بادشاہ سنجر نے عریضہ لکھا کہ ایک حصہ میرے ملک کا ہے نیمروز۔ وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں کیونکہ آپ کی خانقاہ کا خرچ بہت زیادہ ہے مہمانوں کی کثرت رہتی ہے واردین صادرین کثرت سے آتے رہتے ہیں حضرت غوث پاک اس کے جواب میں نہایت بے پروائی کے ساتھ لکھتے ہیں ۔

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد　　　　در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　　　من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

یعنی آدھی رات کو اٹھ کر جو نفلیں پڑھتا ہوں اور اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہوں اس کے لطف کے سامنے سب گرد ہے حکومت اور سلطنت۔ میں ملک نیمروز کو ایک جو کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت تو وہ کیا بات ہے۔ ان کو اسی میں چین ملتا تھا۔ تو دیکھئے ظاہر میں سب کے الگ الگ مطلوب ہیں لیکن حقیقت میں سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں یعنی چین کے یہ دوسری بات ہے کہ واقعی چین کس میں ہے جو آگے ثابت ہو جاویگا۔

جب یہ بات ہے تو دنیا کے طالب بھی واقعی چین کے طالب ہیں۔ تو چین دنیوی ضرورت کی بھی چیز ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کو راحت اور چین مطلوب نہ ہو۔ رہی آخرت سو آخرت کے چین کا مطلوب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کسی کو اس میں کلام ہی نہیں بفضلہٖ ایک مقدمہ تو بخوبی ثابت ہوگیا کہ چین دنیا اور آخرت دونوں کی ضرورت کی چیز ہے۔

دنیادار کوئی راحت میں نہیں

دوسرا مقدمہ یہ باقی رہا کہ چین کس چیز میں ہے سو حق سبحانہ وتعالیٰ دعویٰ فرماتے ہیں کہ خدا ہی کی یاد میں چین منحصر ہے اب ذکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا اب اسکا ثابت ہونا رہا کہ چین صرف ذکر اللہ ہی میں ہے سو یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہوسکتی ہے کہ دنیادار ہرگز راحت میں نہیں۔ ٹٹول لیجئے طالبان راحت اور اسباب راحت جمع کرنے والوں کو یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کی عمر گذر گئی سامان راحت جمع کرنے میں اور سامان جمع بھی ہوگیا۔ اول تو سب سامان جمع ہوتا نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى﴾

(عربی شعر)

مَا كُلُّ مَا يتمنى الْمَرْءُ يُدْرِكُهٗ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ (۱)

یعنی کبھی ہوائیں مخالف ہوتی ہیں جو کشتی کے مقتضا کے خلاف ہے لیکن اگر ہر شخص اپنی سب تمنائیں حاصل بھی کرلے تب بھی راحت نہیں یعنی فرض کرو ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی سب تمنائیں پوری ہوگئیں یعنی سامان راحت جسے وہ سمجھتا تھا وہ سب جمع ہوگیا۔ لیکن خود راحت تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے یعنی دیکھنا یہ ہے کہ سعی سے کیا چیز جمع ہوسکتی ہے راحت یا سامان راحت۔ ایک شخص ہے کہ اسکا عہدہ بھی بڑا ہے۔ گاؤں بھی ہیں نوکر چاکر بھی ہیں۔ حشم خدم بھی ہے۔ حکومت بھی

(۱) انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوئی کبھی ہوائیں مخالف ہوتی ہیں جو اس کی کشتی کو منزل مقصود تک پہنچنے نہیں دیتی۔

غرض سارا سامان راحت اور عیش کا جمع ہے۔ اول تو بہت کم ایسے ہوتے ہیں لیکن خیر آخر کوئی ایسا ہو بھی تو اس کو پیش نظر رکھ کر اس کی حالت دیکھئے اور تفتیش کیجئے کہ آیا اُسے چین میسر ہے یا نہیں میں سچ عرض کرتا ہوں چین پھر بھی اُسے نصیب نہیں کوئی نہ کوئی پریشانی وہاں بھی ضرور پاؤ گے اپنی عمر میں کوئی دنیادار آرام میں نہیں۔ ایک شخص ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی مدتوں تو اس غم میں رہا کہ اولاد نہیں ہوتی خیر اولاد بھی ہوگئی تو پھر اولاد کے اولاد نہیں ہوتی اب اس غم میں ہے، غرض کسی وقت فکر و غم سے خالی نہیں۔ یہ مسلّم ہے اہل دنیا کے نزدیک بھی مشہور ہے کہ کسی مجرد (۱) شخص نے کسی عیالدار سے پوچھا کہ خیریت بھی ہے اُس نے بگڑ کر کہا کہ میاں خیریت ہوگی تمہارے یہاں کہ نہ گھر نہ بار اکیلی جان آخر نکھٹو ٹھیرے بس خیر ہمارے یہاں کیوں خیریت ہونے لگی خیریت ہوتی ہے تم جیسے منحوسوں کے یہاں ہمارے یہاں تو اللہ کے دیئے ہوئے بیوی بچے بھی ہیں۔ پوتے پڑوتے بھی۔ نوکر چاکر بھی، کسی کا سر دکھ رہا ہے، کسی کو دست آرہے ہیں، کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے، ہمارے یہاں کیسی خیریت تم اکیلے اپنی جان لئے ہو اس لئے تمہارے یہاں ہمیشہ خیریت ہی خیریت رہتی ہے خدا نہ کرے وہ دن کہ ہمارے یہاں خیریت ہو سو واقعی بالکل سچ ہے کہ جتنا سامان بڑھتا ہے غم بھی بڑھتا جاتا ہے۔

حکایت

ایک حکایت ہے گلستان میں کہ کسی فقیر کو بادشاہت مل گئی تھی۔ کسی نے مبارکباد دی تو اُس نے کہا کہ میاں مبارکباد کا ہے کی دیتے ہو۔

دی روز غم نانے داشتم امروز غم جہانے (۲)

(۱) غیر شادی شدہ شخص (۲) پہلے ایک روٹی کی فکر تھی اب پوری رعایا کی روٹی کی فکر ہے۔

بچوں کو کہا کرتے ہیں کہ بادشاہ ہیں سبحان اللہ بادشاہی کی حقیقت کیا ہے بچپن کے زمانہ کے سامنے بادشاہوں کو تو ہم سے زیادہ فکر ہے اُن سے تو غریب ہی زیادہ بیفکر ہیں بچے تو بالکل ہی بے فکر ہوتے ہیں ان سے نسبت کیا بادشاہوں کو۔

دنیا کی زیادتی باعث مصیبت

خلاصہ یہ کہ جتنا سامان بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے خوب فرماتے ہیں ایک بزرگ ؎

وَمَنْ يَّحْمِدُ الدُّنْيَا لِعَيْشٍ يَسِرَّةٌ　　فَسَوْفَ لَعَمْرِىْ عَنْ قَلِيْلٍ يَلُوْمُهَا

یعنی جو آج ترقی کی ترغیب دے رہا ہے واللہ وہ بہت جلد خود اس کی مذمت کرے گا ؎

اِذَا اَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةٌ　　وَاِنْ اَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيْرًا هُمُوْمُهَا

دنیا ایسی چیز ہے کہ جب یہ آتی ہے تو سیکڑوں پریشانیوں کو اپنے ساتھ لاتی ہے اور جب یہ جاتی ہے تو حسرت وافسوس چھوڑ جاتی ہے نہ اس کا آنا پریشانی سے خالی نہ اس کا جانا پریشانی سے خالی شروع سے اخیر تک بس پریشانی ہی پریشانی ہے۔ سو واقعی حضرت خدا تکلیف سے تو بچادے۔ دنیا ہو مگر بقدر ضرورت۔ لیکن اسکا زیادہ ہونا ہے پوری مصیبت۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ دے دیا بس قبضہ میں آتے ہی سبق شروع ہو گیا اب اس کی حفاظت کی فکر میں ساری ساری رات نیند نہیں آتی غرض اس کے آتے ہی پریشانی تو نقد موجود ہے۔ چور صاحب اگلے ہی دن ساری کی ساری رقم ایک ساتھ اڑا ہی لیجاویں اور ان صاحب کو اُسے برتنے کا موقع بھی نہ ملے پھر اُس کے چوری ہو جانے کے بعد جو غم اور پریشانی ہوئی وہ نفع میں رہی۔

جوتے نفع میں

مشہور ہے کہ ایک چور کسی کا گھوڑا چرا کر لایا راستہ میں ایک اور چور ملا جو اس سے بھی زیادہ شاطر تھا۔ اس نے پوچھا کہ میاں گھوڑا بیچتے ہو۔ انہیں بھلا ایسا موقع کہاں ملتا کہ ادھر چورا کر لائے اُدھر خریدار موجود۔ پکڑے جانے کا بھی کھٹکا نہ رہے کہاہاں بیچتے تو ہیں۔ دوسرے چور نے کہا کہ بھائی پہلے سوار ہو کر دیکھ لیں کہ کوئی عیب تو نہیں لو تم میری جوتیاں تھام لو میں آٹھ دس قدم اسے چلا کر دیکھ لوں۔ جوتیاں تو اس کے ہاتھ میں دیں اور رکاب میں پاؤں رکھ، اوپر چڑھ، ایڑ مار، یہ جا اور وہ جا چور صاحب جوتیاں ہاتھ میں لئے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ کسی نے پوچھا میاں جو تم گھوڑا لئے جا رہے تھے وہ کیا ہوا۔ کہا بیچ دیا کہاہاں بیچ دیا۔ پوچھا کتنے میں گیا کہا جتنے میں لائے تھے اتنے میں گیا اور یہ جوتی نفع میں، مفت لیا تھا مفت گیا یہ جوتیاں نفع میں ملیں خیر بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔ اسی طرح وہ ایک ہزار روپیہ کیا آئے ایک مصیبت اپنے ساتھ لائے اور گئے تو ایسی برکت کر گئے ایک تو روپیہ جانے کا غم اوپر سے یہ پریشانی مفت کی کہ پولیس میں رپٹ لکھاؤ۔ مستغیث(۱) نہ بنو تو جرم اور بنو تو سیکڑوں جھگڑے ایسے موقعوں پر بعضی پولیس الٹا مستغیث سے وصول کرتی ہے نہ دو تو رپٹ کو جھوٹا قرار دیکر الٹا مستغیث کا چالان کردے یہ پریشانی اور پولیس کا خوف گھاٹے میں رہا جیسے اُس چور کو جوتیاں نفع میں رہی تھیں۔ بڑے جوتے تو یہ ہیں کہ ہزاروں طرح کے غم، روپیہ کے آنے کی اتنی خوشی نہ ہوئی تھی جتنا کہ جانے کا غم ہو گیا۔ رات بھر تو حفاظت کی فکر میں چین نہ آیا اور صبح دیکھتے ہیں تو صندوقچی ندارد۔

(۱) دعویٰ نہ کرو تو مجرم۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو فضول اشیاء سے پریشانی

میں اپنی ہی کہتا ہوں میرے پاس کوئی چیز ہدیہ آتی ہے تو آتے ہی بس غم سوار ہو جاتا ہے کہ اس کو کس کام میں لاؤں۔ جب تک اس کی ضرورت ذہن میں نہیں آجاتی ہمیشہ اس کی فکر رہتی ہے کہ کہاں استعمال کروں ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ کی ناشکری نہ ہو، کہ نالائق ہم تو تجھے دیتے ہیں اور تو گھبراتا ہے۔ بعض چیز تو ایسی ہوتی ہے کہ آتے ہی کام میں آجاتی ہے لیکن بعض چیز ایسی آتی ہے کہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اسکا کروں کیا، یا تو کسی کو دیدی یا اگر بخل کا غلبہ ہوا تو سوچا کہ! جی مفت کسی کو کیوں دیں۔ لاؤ بیچو جی۔ چنانچہ بیچ کر دام کھرے کر لئے اور ضروری موقعوں پر خرچ کر لیا۔ اللہ اللہ خیر صلا اُس کا موجود رہنا بار ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ گھروں میں سامان کثرت سے بھرا پڑا ہے اور اس کے استعمال کی کبھی عمر بھر بھی نوبت نہیں آتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قلب پر ایسے فضول سامان کا بار ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو میں ضرور کہوں گا کہ قلب بے حس ہو گیا ہے ورنہ ضرور الجھن ہوتی۔ مجھے تو اس تصور ہی سے وحشت ہوتی ہے کہ میری مِلک میں بھی ضرورت سے زیادہ چیزیں ہوں، چاہے ان چیزوں سے خود مجھے سابقہ کبھی نہ پڑتا ہو لیکن خیال ہوتا ہے کہ میری ملک ہی میں ایسی فضول چیزیں کیوں ہوں۔ آخر ان کا ہو گا کیا۔ بہت ہی الجھتی ہے طبیعت، کہ جو چیز کام میں نہ آوے وہ گھر میں کیوں رہے۔ مفت میں پہرہ چوکی دینا، حمال ہونا، مزدور بنا(۱) فضول کا دردسر، خوب کہا ہے صائب نے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش
انچہ مادرکار داریم اکثرے درکار نیست(۲)

(۱) بلاوجہ ہم اس کی نگرانی کیوں کریں بوجھ کیوں اٹھائیں اور مزدوروں کی طرح حفاظت کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتے ہیں (۲) حرص قناعت نہیں کرنے دیتی ورنہ زندگی کا سازوسامان جو کام کا سمجھ کر محفوظ کرتا ہوں اکثر کام میں نہیں آتا۔

کثرت سامان کی خرابی

واقعی ہر شخص ٹٹول کر دیکھ لے جتنی چیزیں گھر میں موجود ہیں ان میں اکثر ضرورت کی نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات تو چیز کے آنے پر ضرورت تصنیف کی جاتی ہے کہ فلانے کام میں لگالیں گے۔ چیز کیا آئی ایک کام بڑھ گیا۔ اب تک جو نہ تھا لیجئے آج وہ شغل بھی تیار ہے۔ اے اللہ جن کے یہاں سامان بیحد بھرا پڑا ہے انہیں کیسے چین آتا ہوگا۔ وہ سامان کہ جس کی فہرست بھی نہیں کہ کیا کیا چیز ہے، اور جس کی خبر بھی نہیں کہ کہاں پڑا سڑ رہا ہے، اور جو اس طرح حاصل کیا گیا تھا کہ کسی کا گلا کاٹ کر۔ کسی کا حق مار کر۔ سیکڑوں گناہ سمیٹ کر وہ آج یوں بیکار پڑا گوکھا رہا ہے۔ یونہی پڑا پڑا دیمک لگ کر ختم ہوگیا اور مالک صاحب کو پتہ بھی نہیں۔ اپچولی ضلع میرٹھ میں ایک دلہن جہیز میں پندرہ سو کے کپڑے(۱) لائی تھی۔ بھلا کس کام آئینگے۔ ان سب کے استعمال کی کبھی نوبت نہ آئیگی کیونکہ وہ تو اتنے ہیں کہ پرنواسی بلکہ سگرنواسی تک بھی ختم نہ ہوں۔ بس ہمیشہ ہوا اور دھوپ دیا کرو اور پھر ویسے کے ویسے ہی بند کر کے رکھدو۔ بھلا کیا فائدہ نکلا سوا اس کے کہ ایک شغل بڑھ گیا۔ یہ اباجان نے سلوک کیا کہ ایک اچھی خاصی مصیبت عمر بھر کے لئے جان کو لگادی۔ یہ ہے زیادہ اسباب کی خرابی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی حس ہی باطل ہوگئی ہو اور اس کو یہ مصیبت مصیبت ہی نہ معلوم ہوتی ہو۔ جیسے حس باطل ہوجاتی ہے کوکین سے۔ جیسے کوکین کھاتے کھاتے زبان بےحس ہوجاتی ہے اسی طرح چونکہ خرافات کے عادی ہو رہے ہیں اس لئے قلب بے حس ہوگیا ہے۔

---

(۱) آج کل تو دلہنیں پچاس پچاس ہزار کا ایک ایک جوڑا بنواتی ہیں جو صرف ایک مرتبہ شادی کے روز پہنا جاتا ہے پھر سنبھال سنبھال کر رکھا جاتا ہے اور ہمیشہ اس کی حفاظت کرنی پڑتی قیمتی ہونے کی وجہ سے کسی کو ہدیہ کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔

مرتے وقت کی پریشانی

لیکن ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ یہ سن (۱) اترے گی اس وقت یہ افکار سانپ اور بچھو کا کام دیں گے۔ وہ کونسا وقت ہوگا ؟ وہ ہوگا موت کا وقت چنانچہ حدیث میں ہے (اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا)(۲) مرتے وقت آنکھ کھلے گی اس وقت ادراک درست ہوگا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ غم جائداد کا۔ ساز وسامان کا، گھر کا لیکن فضولیات کا ضروریات کا نہیں کیسا ستاتا ہے اس وقت احساس ہوگا کہ قلب پر ان کی جدائی سے کس قدر بار اور گرانی ہوتی ہے۔ کوئی غم سانپ کی خاصیت رکھے گا کوئی بچھو کی خاصیت کہ ہائے میں چلا ہائے یہ ساری چیزیں مجھ سے چھوٹیں۔ ہائے میرے بعد نجانے انکا کیا حال ہوگا وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ (۳) خدا بچائے جس نے تعلقات ضرورت سے زیادہ بڑھا رکھے ہیں اور انہیں میں رات دن انہماک ہے اس کو سخت کشاکشی پیش آنے والی ہے مرنے کے وقت سانپ بچھوؤں کا قبر میں تو عذاب ہوگا ہی اس کا نمونہ مرنے کے وقت دنیا ہی میں دیکھ لے گا جن صاحبزادہ کے واسطے جائداد چھوڑ جانے کی فکر میں حلال حرام کی تمیز نہ کی وہ خوش ہیں کہ ابا مر رہے ہیں خوب گل چھرے اڑائینگے۔ باوا جان کی مصیبت ہے کہ چاروں طرف کے خیالات سانپ بچھو بن کر لپٹ رہے ہیں لیکن اے صاحب آپ ہی نے تو یہ سانپ بچھو لپیٹے ہیں خود بخود تو جمع نہیں ہوگئے۔ میں پھر کہے دیتا ہوں اور بار بار کہے دیتا ہوں کہ یہ سب تقریر فضولیات کے متعلق ہے ضروریات اس سے بالکل مستثنیٰ ہیں لیکن ضروریات وہ جو واقعی ضرورت ہو۔ تصنیفی ضرورت نہیں، یعنی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے

(۱) یہ بے حسی ختم ہوگی (۲) لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے تو آنکھ کھلے گی (۳) پنڈلی لپٹ جائے گی آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔ (سورۃ القیامۃ: ۲۹۔۳۰)

پاس وہ چیزیں نہیں ہیں ان کا انکے بغیر کچھ بھی حرج نہیں ۔بعض چیزوں کے تو نام بھی ہمیں نہیں معلوم مثلاً جواہرات ہمارے پاس نہیں ہیں تو بدون ان کے ہمارا کونسا کام اٹکا ہوا ہے۔ان کے حصول کے درپے ہونا فضول حرکت ہے یا نہیں؟

خودساختہ ضروریات

البتہ جو چیزیں فضول نہیں ان سے ہم تعرض نہیں کرتے۔اب تقریبات میں جو محض نام ونمود اور شان کے لئے فضولیات میں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے ان کی بھلا کون سی ضرورت ہے یہ سب تصنیف کی ہوئیں ضرورتیں ہیں اول ایسی ضروریات تصنیف کیں پھر ان کے پورا کرنے کے لئے جائز ناجائز بٹورنا شروع کردیا۔پھر اسی طرح سلسلہ وار لاکھوں ضرورتیں اپنے سر لپٹالی ہیں۔

فضولیات سب عذاب ہیں

ہر ہر چیز عذاب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (۱) یعنی آپ کو خوشنما نہ معلوم ہوں ان کے اموال واولادکیوں کہ اللہ تعالیٰ یوں چاہتا ہے کہ اولاد اور اموال سے انہیں دنیا ہی میں عذاب دیں آخرت میں عذاب الگ ہوگا۔دنیا ہی میں اولاد واموال کو آلہ تعذیب بنادیں۔دنیا ہی میں عذاب ہوجائے حقیقت میں عذاب ہی ہے بعضوں کو تو مال کی حفاظت کی فکر میں سونا نصیب نہیں ہوتا۔جیسے سانپ خزانہ پر جاگتا ہے ویسے ہی یہ لوگ رات بھر جاگتے ہیں اس بہانہ سے تہجد بھی شروع کردیا ذکروشغل بھی کررہے ہیں اورغرض وہی ہے حفاظت مال، اگر آج سارا ذخیرہ جاتا رہے تو پھر تہجد بھی ختم پھر کہاں کا ذکر

(۱) سورۃ التوبہ:۵۵۔

اور کس کا شغل۔ تورات بھر خود اس طرح پہرہ دیتے ہیں کیونکہ چوکیدار پر بھی کیا بھروسہ اگر جائداد ہوئی تو مقدمہ بازی سے فرصت نہیں کبھی تو اس کی فکر کہ فلانے نے نالش کردی ہے ایک جگہ جیتے دوسری جگہ ہارے اسی طرح ہائیکورٹ پہنچتے پہنچتے ہزاروں کے وارے نیارے ہوگئے۔ اگر ہائیکورٹ تک پہنچ کر اخیر میں نالش خارج(۱) بھی ہوگئی تب بھی پورا کورٹ (۲) تو ہو ہی گیا۔ کبھی اس کا غم کہ ہائے اتنا تو خرچ کیا پھر بھی مقدمہ خارج ایک مصیبت ہے۔

مال واولاد کی کثرت باعث پریشانی

چو میرد مبتلا میرد چوں خیزد مبتلا خیزد(۳)

یہی اولاد کی کیفیت ہے اول تو مدتوں کی آرزوں کے بعد خدا خدا کرکے اولاد ہوئی پھر کوئی بچہ بیمار ہوا یہاں تک کہ مایوسی تک نوبت پہنچ گئی۔ اب پریشان ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگا۔ اگر یہ مرگیا تو میں کیونکر زندہ رہوں گا۔ ہائے کیا حال ہوگا قبل از مرگ واویلا (۴) مرنے کا اتنا غم بھی نہ ہوگا جیسی تکلیف اس سوچ میں ہے کہ ہائے اگر مرگیا تو کیا ہوگا غرض کسی طرح چین نہیں بےچین ہیں پریشان ہیں۔ یہ مزا ہے اولاد کا اور اموال کا، فرمائیے یہ مصیبت ہے یا نہیں اسی کو فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ دنیا ہی میں آلہ عذاب ہے جس کے پاس مال اور اولاد کی کثرت ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہر وقت ایک عذاب جان میں مبتلا ہے پھر بتلائیے ایسے شخص کی بابت کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ چین میں ہے ہرگز نہیں۔ دنیادار کوئی چین میں ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے ایک حکایت

(۱) مقدمہ خارج بھی ہوگیا (۲) تب بھی ہزاروں کا نقصان تو ہو ہی گیا (۳) جب سوئے گا تو پریشان، اٹھے گا تو پریشان (۴) موت سے پہلے ہی شور مچانا شروع کردیا

نہایت مطلب خیز اور میرے اثبات مدعا میں واضح اور صریح اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے کہ کسی شخص کو جو دلّی کا رہنے والا تھا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی بڑی تمنا تھی کیونکہ سنا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام بڑے مقبول الدعوات ہیں ان سے دعا کرائیں گے۔

حیات خضر

بعضوں کو یہ خبط بھی ہوتا ہے اور اس خبط میں ان کی حیات اور موت کو پوچھتے ہیں۔ چنانچہ جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا ایک صاحب کا خط حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا تھا۔ اُس میں پوچھا تھا کہ آیا حضرت خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں۔ مولوی صاحب تھے بڑے زندہ دل۔ جواب لکھوایا کہ بھائی ان کا میرے پاس بہت دن سے کوئی خط نہیں آیا خبر نہیں زندہ ہیں یا مر گئے ۔ بہت دن سے خیریت نہیں آئی۔ جب کوئی خط آویگا تو اطلاع دوں گا۔ لوگ بھی کیا فضول سوال کرتے ہیں۔ مطلب کیا ہمیں اس تحقیق سے۔

ہمارے خضر

ہمارے خضر اور ہمارے عیسی کون ہیں۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جن کی وہ شان ہے کہ اگر اس زمانہ میں سارے انبیاء دوبارہ دنیا میں تشریف لے آویں تو سب آپ کے امتی ہوکر رہیں چنانچہ حضرت عیسی علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لاویں گے تو ہمارے حضور ہی کی شریعت کے تابع ہونگے۔ پھر بھی ہم کو خضر علیہ السلام کی ڈھونڈھ ہے بس ہمیں تو ہمارے حضور ہی کافی ہیں ہمیں کسی کی تلاش نہیں چاہیئے ۔حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت خضر علیہ السلام

خود ایک بار تشریف لائے اور مصافحہ کیا۔ مصافحہ کر کے حضرت ابراہیم بن ادھم پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے یعنی اللہ کی یاد میں حضرت خضر نے فرمایا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ حضرت ابراہیم بولے کہ میں نے اس کی کچھ ضرورت نہیں سمجھی انہوں نے فرمایا کہ میں خضر ہوں۔ آپ نے کہا ہونگے۔ یہ کہہ کر پھر مشغول ہو گئے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ بھائی تم تو بڑی بے پروائی سے ملے لوگ تو برسوں میرے ملنے کی آرزو میں رہتے ہیں اور ملاقات نصیب نہیں ہوتی۔ فرمایا بڑے نادان ہیں جو خدا کی طلب کو چھوڑ آپ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ حضرت خضر نے فرمایا نہیں خدا ہی کے واسطے مجھے ڈھونڈتے ہیں مجھ سے دعا کراتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ اچھا آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میں نبی ہو جاؤں فرمایا یہ تو نہیں ہوسکتا۔ کہا یہ نہیں ہوسکتا تو آپ مہربانی کر کے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میرا حرج ہوتا ہے خیر یہ تو اُن کا ایک حال ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں کہ حضرت خضر کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں لیکن ملتے نہیں۔ ایک یہ تھے کہ خود ان کے پاس آئے اور انہوں نے پروا بھی نہ کی۔

دنیا میں بے فکری ممکن نہیں

وہ شخص بھی وظیفے پڑھتا تھا دعا کراتا تھا لیکن حضرت خضر ملتے ہی نہ تھے اتفاق سے ایک روز کہیں مل گئے اس شخص نے پہچانا نہیں کیونکہ ظاہری کوئی علامت تو تھی نہیں اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ ان کے ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہوتی۔ لاحول ولا قوۃ۔ بالکل واہیات۔ لغویات غرض حضرت خضرؑ نے خود ہی اس شخص سے کہا کہ میں خضر ہوں کہہ کیا کہتا ہے میری اس قدر کیوں تلاش تھی۔ احمق نے طلب بھی کیا تو کیا کہتا ہے کہ حضرت میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میں دنیا

میں بیفکر ہوکر زندہ رہوں۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ ارے یہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا میں بیفکری نصیب ہو اُس نے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت آپ دعا تو کردیں۔ حضرت خضر نے پھر وہی کہا ارے بھائی میں ایسی دعا کرنہیں سکتا ایسے کام کے لئے کیا دعا کروں جو ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر بیٹا کہے کہ میرے لئے یہ دعا کردو کہ میں اپنے باپ کا بھی باپ ہوجاؤں تو بھلا یہ ہے نالغو فرمائش کیونکہ ایسا ممکن ہی کہاں ہے۔

بے فکر شخص کی تلاش

جب اُس نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت خضر نے اپنے اخلاق سے یہ جواب دیا کہ خیر ایسی دعا مانگنا تو بے ادبی کی بات ہے کیونکہ ایسا ہونا عادت اللہ کے خلاف ہے ہاں تم تمام دلّی میں جس کو اپنے نزدیک بیفکر سمجھو اُسے منتخب کرلو پھر میں یہ دعا کروں گا کہ اے اللہ یہ شخص بھی ایسا ہی ہوجاوے جیسا فلانا۔ میں تمہیں چھ مہینے کی مہلت دیتا ہوں اس درمیان میں اطمینان سے تلاش کررکھنا میں چھ مہینے کے بعد پھر تم سے ملوں گا اس وقت اپنی رائے سے مطلع کرنا وہ شخص دل میں بڑا خوش ہوا کہ یہ کیا مشکل بات ہے دلی میں ہزاروں امراء ہیں شاہی کارخانہ ہے۔ بڑے بڑے دولتمند اور رئیس موجود ہیں۔ ایسا شخص ملجانا بہت آسان ہے چنانچہ اس نے دلی میں گھومنا شروع کیا۔ اور ایک ایک رئیس کو دیکھنا شروع کیا جب کسی شخص کے بارے میں رائے قائم ہوتی کہ اس جیسا ہونے کی دعا کراؤں گا۔ اندرونی حالات تفتیش کرنے پر وہ بھی کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نکلتا یہاں تک کہ چھ مہینے کی میعاد ختم ہونے کو پہنچی۔ اب انہیں بڑا تردد ہوا کہ حضرت خضر کو کیا جواب دوں گا معلوم ہوتا ہے واقعی دنیا میں کسی کو آرام نہیں چین جسکا نام ہے کسی کو میسر نہیں۔

ایک جوہری کی حکایت

اخیر میں ایک جوہری پر اسکا گذر ہوا۔ دیکھا کہ لاکھوں کا کارخانہ ہے بڑا سازوسامان۔ سیکڑوں مکان اور دکانیں عالیشان فرش فروش حشم خدم۔ اولاد بھی کثرت سے غرض سارا سامان عیش کا موجود ہے اور خود گاؤتکیہ لگائے نہایت اطمینان کے ساتھ ہٹا کٹا سرخ سپید بیٹھا ہوا ہے کچھ کام بھی نہیں کارندے ایسے معتمد کہ سب کام انہیں کے ذریعہ سے نہایت خوبی اور انتظام کے ساتھ ہورہے ہیں اس جوہری کو دیکھ کر یہ حضرت بڑے خوش ہوئے کہ الحمدللہ جیسا شخص میں چاہتا تھا ویسا مل گیا۔ بس اسی جیسا ہونے کی دعا کراونگا۔ لیکن سوچا کہ بھائی احتیاطاً اس سے مل تو لو چنانچہ ملے اور سارا قصہ حضرت خضر کی ملاقات کا اور اپنی دعا کی درخواست کا سنایا اور کہا کہ ساری دلی میں بس تم ایک شخص ملے ہو جن کو کوئی فکر نہیں۔ اب میں حضرت خضر سے یہی دعا کراؤں گا کہ تم جیسا ہوجاؤں۔ یہ سنکر اُس جوہری نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ اللہ مجھ جیسا ہونے کی دعا ہرگز نہ کرانا۔ مجھ جیسا تو خدا دشمن کو بھی نہ کرے جس مصیبت میں مبتلا ہوں وہ دشمن کو بھی نہ ہو۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہا میاں تم صاحب جائداد ہو۔ صاحب اولاد ہو۔ تندرست ہو۔ ہر طرح کا آرام سازوسامان حشم خدم نوکر چاکر دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں اور پھر کوئی کام بھی نہیں اب اور کیا چاہیئے پھر بھی کہتے ہو کہ ایسی مصیبت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ بڑی ناشکری حق تعالیٰ کی ہے جوہری نے کہا کہ خیر اب تم سے کیا چھپاؤں بھائی میری تو بڑی دردناک حکایت ہے۔ ماجرا یہ ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو قسمت سے بیوی مجھے نہایت حسین جمیل ملی اس سے مجھے بیحد محبت ہوگئی شادی ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد وہ سخت بیمار ہوئی یہاں تک کہ مایوسی تک پہنچ گئی میں رونے

لگا اس نے کہا کہ یہ سب جیتے جی کی محبت ہے مردوں کو کبھی باوفا نہیں دیکھا یہ لوگ بڑے بے وفا ہوتے ہیں میں مرجاؤں گی تم دوسری کرلو گے میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میری محبت تمہارے ساتھ بھلا ایسی ہے تمہارے بعد میں کہیں دوسری بیوی لاسکتا ہوں یہ تم کیا خیال کرتی ہو۔ اس نے کہا یہ سب باتیں ہیں کہیں آج تک کوئی بھی رُکا ہے جو تم رکے رہوگے چونکہ مجھے اس سے واقعی بیحد محبت تھی میں نے کہا کہ اچھا تمہیں یوں یقین نہیں آتا تو لو میں ضرورت ہی کو حذف کئے دیتا ہوں اور وہیں استرا لیکر میں نے اپنا اندام نہانی کاٹ کر الگ کردیا اور کہا کہ اب تو تمہیں یقین آویگا کیونکہ جڑ ہی نہ رہی جو ضرورت شادی کی ہو۔ اُس بھلے مانس نے بھی کمال ہی کیا کہ اڈا ہی اڑا دیا جیسا ایک افیونچی نے کیا تھا۔ ایک افیونچی صاحب پینک (۱) میں بیٹھے مزے لے رہے تھے ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر آبیٹھتی وہ جھنجلا کر اسے اڑا دیتا پھر آبیٹھتی پھر اڑا دیتا۔ پھر آبیٹھتی بعض مکھی کچھ ہوتی ہی ہے ایسی ضدی۔ آپ کو جو غصہ آیا تو اُسترا لے اپنی ناک ہی اڑا دی اور مکھی کو خطاب کرکے بڑے اطمینان سے کہتے ہیں کہ لے سسری اب بیٹھ کہاں بیٹھتی ہے اب تیرا اڈا ہی نہیں رہا جہاں بیٹھے اسی طرح ان حضرت نے بیوی کے سارے احتمالات کی جڑ ہی کو اڑا دیا قصہ مختصر کہ وہ کمبخت پھر مری نہیں اچھی ہوگئی اور اب تک زندہ ہے ادھر میں بیکار ہو ہی چکا تھا۔ اُدھر اس کی جوانی۔ بس اُس نے میرے نوکروں سے ساز کرلیا اب یہ جس قدر اولاد تم دیکھتے ہو یہ سب میرے نوکروں کی عنایت ہے۔ ایک مدت ہوئی اس بے حیائی کو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں لیکن کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بھلا کیا منہ لے کر روکوں اور کس برتے پر منع کروں۔ رات دن اسی غم میں گھلتا ہوں اور کچھ نہیں کرسکتا یہ سن کر وہ شخص انگلی منہ میں دبا کر حیرت میں رہ

(۱) نشے کی اونگ میں بیٹھا تھا۔

گیا۔ اور افسوس کرنے لگا۔ جوہری نے کہا کہ میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھ جیسے ہونے کی ہر گز دعا نہ کرانا لیکن تمہاری سمجھ میں آتا ہی نہ تھا۔ اب تو معلوم ہو گیا اور میں یہ بھی تم سے کہے دیتا ہوں کہ دلی تو دلی دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو بے فکر ہو۔ تم کس خبط میں مبتلا ہو۔ اس خیال کو چھوڑ و اور جاؤ آخرت کی درستی کی دعا کراؤ۔

آخرت کی درستگی کی دعاء

میعاد مقررہ ختم ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام پھر اس شخص کو ملے دریافت فرمایا کہو کیا رائے ہے کونسا شخص تم نے منتخب کیا اُسے بڑی ندامت ہوئی عرض کیا کہ حضرت کیا عرض کروں واقعی حضرت سچ فرماتے تھے اب مجھ کو اسکا عین الیقین (۱) ہو گیا کہ دنیا میں کوئی چین سے نہیں حضرت خضر ہنسے فرمایا کہ ہم نہ کہتے تھے لیکن تمہیں یقین ہی نہ آتا تھا اب تو دیکھ لیا خیر اب بولو کہ کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت بس آخرت کی درستی کی دعا کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت خضر نے دعا فرمادی اور وہ شخص ولی کامل ہو گیا۔

دنیا میں کسی کو بیفکری میسر نہیں

سو حضرت واقعی دنیا میں کہیں چین نہیں ہے تلاش کر کے دیکھو تب میرے کہنے کا یقین آوے۔ یہ میرا دعویٰ ویسے لفظاً تو مختصر سا ہے لیکن باعتبار تحقیق کے بہت بڑا ہے۔ بالکل سچی بات ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں میں تم کو کیسے یقین کرادوں محض دلائل عقلیہ اس کے لئے کافی نہیں ہیں بلکہ یہ تو مشاہدہ کے متعلق ہے۔ آپ ایک سرے سے سب سے بڑے بڑے دنیاداروں کو دیکھنا شروع کیجئے

(۱) پختہ یقین ہو گیا۔

کبھی کسی کو چین سے نہ پائیں گے اگر اس میں بکھیڑا سمجھیں تو میں ایک بات مشابہ دلیل عقلی کے عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر لے کہ اول تو کسی کی ہر تمنا پوری ہوتی نہیں کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے لیکن خیر اگر کسی طرح سارا سامان راحت بہم پہنچا بھی لیا جاوے تب بھی چین جس کا نام ہے وہ ہرگز کسی کے قبضہ میں نہیں بڑے بڑے سامان والوں کو بھی دنیا میں راحت میسر نہیں عادت اللہ یوں ہی جاری ہے۔

یادِ خدا کے معنی

اب دوسری حالت کو لیجئے یعنی جو خدا کی یاد میں مشغول ہیں کیا معنیٰ کہ جو اس کے دھیان میں رہتے ہیں اور اسکی پوری پوری اطاعت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ بیٹھ کر اللہ اللہ کر لینا محض یہی نہیں اللہ کی یاد پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ یاد کسے کہتے ہیں یاد میں سب داخل ہے نام جپنا۔ دھیان رکھنا اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اصلی یاد یہی ہے۔ اس کو حکیم سمجھنا یعنی اس کی حکمت کا اعتقاد رکھنا۔ اس کو رحیم سمجھنا یعنی اس کی رحمت کا اعتقاد رکھنا یہ سب خدا کی یاد میں داخل ہے۔

سکون کا ذریعہ یادخدا

جس نے اس طریقہ سے اللہ کی یاد کی واللہ آپ دیکھ لیجئے گا اور میں تو بعد دیکھنے ہی کے کہتا ہوں کہ وہاں ایسا سخت قرنطینہ (۱) ہے کہ گو جسم پر اثر ہو لیکن انکے قلب تک پریشانی نہیں پہنچتی یہ میں نہیں کہتا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے یا ان کا کوئی دشمن نہیں ہوتا یا ان کی کوئی غیبت نہیں کرتا ان کو کوئی برا بھلا نہیں کہتا۔ یہ سب قصے ہوتے ہیں اور ان قصوں سے انہیں غم بھی ہوتا ہے رنج بھی ہوتا ہے

(۱) وہ تو گویا ایک پتھر کی مانند ہیں جن پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔

تکلیف بھی پہنچتی ہے یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن پریشانی اور الجھن نہیں ہوتی جو کہ اصل چیز ہے تکلیف کی۔ اگر کوئی ظاہری تکلیف بھی انہیں پہنچتی ہے تو اس میں بھی ان کے قلب کو چین ہی ملتا ہے وہ عین غم کی حالت میں بھی مسرور رہتے ہیں آپ کہتے ہونگے کہ یہ شخص عجب الٹی تقریر کررہا ہے اجتماع ضدین ثابت کرنا چاہتا ہے جو کہ تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے لیکن نہیں میں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ ہی کے منہ سے کہلوالوں گا کہ یہ حالت ممکن ہے اور دنیا میں بکثرت واقع ہے۔

مصیبت میں راحت

فرض کیجئے آپ کا کوئی محبوب ہے جس کی جدائی میں گھل گھل کر آپ کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ صرف ہڈیاں اور پسلیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اسی حالت میں مدتوں کے بعد دفعتاً کہیں وہ آنکلا اور مشتاقانہ آپ کو بغل میں لیکر زور سے دبایا ادھر آپ غایت درجہ کمزور اور ناتواں اُدھر وہ ہٹا کٹا۔ بھلا میں اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو اس کے دبانے سے تکلیف نہیں ہے تکلیف تو ایسی ہے کہ ہڈی اور پسلی ٹوٹی جاتی ہیں لیکن یہ سوچئے کہ اس تکلیف کا اثر قلب تک بھی ہے یا نہیں اگر آپ واقعی عاشق ہیں تو واللہ تکلیف تو کیسی قلب میں آپ محسوس کریں گے کہ گویا رگ رگ میں جان آرہی ہے اور یوں کہیں گے ؎

این کہ می بینم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب (۱)

ہائے یہ میری قسمت کہ جس کو ایک نظر دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا وہ اس طرح آکر بغلگیر ہوتی کہ وہ محبوب اگر یوں کہے کہ میرا دبانا اگر تم کو ناگوار ہو تو یہ تمہارا رقیب موجود ہے جو میرا مشتاق ہے اور میرے ساتھ ہمکنار ہونے کا بہت آرزومند

(۱) یہ جو میں دیکھ رہا ہوں یہ خواب کی حالت ہے یا بیداری کی۔

ہے تمہیں چھوڑ کر اُس کے ساتھ یہی معاملہ کرنے لگوں اگر تمہیں کچھ تکلیف ہو رہی ہو تو کہہ دو۔ ایسی حالت میں عاشق کیا کہے گا یہ کہے گا ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

بلکہ اگر سچ مچ قتل بھی کر دیوے تب بھی وہ بزبان حال یہی کہے گا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قتل سے بھی اسکو کلفت نہ ہوگی اگرچہ تکلیف سے کراہے بھی تڑپے بھی مگر وہ تکلیف طبعی ہوگی قلب کے اندر پریشانی نہ ہوگی اسی طرح اہل اللہ کو اگر کوئی صدمہ پیش آتا ہے تو ان کی وہی حالت ہوتی ہے جیسی میں نے ابھی بیان کی کہ عاشق کو معشوق کے دبوچنے سے تکلیف تو ہے لیکن اندر سے قلب نہایت راضی ہے نہایت خوش ہے۔ اس کے جسم کو تکلیف ہے لیکن روح کو آرام ہے اگر ان کا بیٹا مرجائے تو وہ محزون بھی نہ ہونگے آنکھ سے آنسو بھی جاری ہو جائیں گے لیکن قلب کے اندر پریشانی نہ ہوگی کہ ہائے یہ کیا ہوگیا اب کیسی ہوگی ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا میں بقسم کہتا ہوں پھر بقسم کہتا ہوں اور پھر بقسم کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہوتا کہ حسرت ہو اور ارمان ہو کہ ہائے یہ زندہ رہتا بلکہ ان کا قلب نہایت مطمئن ہوتا ہے کہ یہ بالکل مناسب ہوا الحمدللہ جو کچھ ہوا بہت ٹھیک ہوا۔ بالکل حکمت ہے سراسر رحمت ہے۔ بلکہ انہیں تفصیلاً حکمتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

اہل اللہ کا ایمان وحال

ایمان اُن کا درجہ حال میں ہوتا ہے۔ درجہ اعتقاد میں تو سب مسلمانوں کا ہے ان کو حال کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی راز ہے کہ انہیں خدا سے زیادہ محبت

(۱) دشمن کے نصیب میں یہ بات نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر حاضر ہے تو اس پر خنجر آزمائی کر لے۔

ہوتی ہے بہ نسبت مخلوق کے یہ نہیں ہے کہ انہیں مخلوق کی محبت نہیں ہوتی۔ مخلوق کی محبت بھی ہوتی ہے لیکن واللہ ثم واللہ مخلوق کی محبت محبت حق کے مقابلہ میں بالکل مغلوب گویا معدوم ہوجاتی ہے موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ غالب غالب ہی ہے اور مغلوب مغلوب۔

چو سلطان عزت علم برکشد		جہاں سر بجیب عدم درکشد
اگر آفتاب است یک ذرہ نیست		وگرہفت دریاست یک قطرہ نیست

جس وقت محبت حق کا غلبہ ہوتا ہے چاہے محبت مخلوق بھی ہو اور مخلوق کے کسی صدمہ سے کلفت بھی ہو لیکن اندر سے پریشانی نہیں ہوتی وہ کلفت پر بھی راضی ہے اور خوش ہے کہ ہمارے لئے یہی مصلحت ہے اسی میں حکمت ہے یہی حال اُس کا دعا کے ساتھ ہے کہ عین دعا کے وقت بھی تقاضا نہیں ہوتا کہ ایسا ضرور ہو ہی جاوے اگر نہ ہو تو بھی تنگی نہیں ہوتی وہ اس پر بھی دل سے راضی ہے کہ خدا کی یہی رحمت ہے غرض مذہب اُسکا یہ ہے۔

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش		چوں کشاید چابک وبرجستہ باش(۱)

اور اسکا یہ مذہب ہوتا ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من		دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

خواہ غم ہو یا خوشی راحت ہو یا تکلیف ہر حالت میں وہ راضی اور خوش ہے اسکا مذہب یہ ہوتا ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو		دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۳)

---

(۱) جب کھونٹے سے باندھ دیں چپ کھڑا رہے جب کھول دیں تو چھلانگیں مارے (۲) جس بات سے تو راضی وہ اچھی ہو یا بری مجھے پسند ہے کیونکہ میرا دل تجھ پر فدا ہے (۳) زندگی دیں تو آپ کی عطاء ہے موت دیں تو جان فدا ہے۔ میرا دل تم پر فدا ہے جو تمہاری مرضی ہو کرو۔

اب اس سے بڑھ کر کیا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل اپنا مرنا ہے۔ آدمی زبان سے تو کہتا ہے کہ مجھے مرنے کی کچھ پروا نہیں لیکن امتحان کے وقت اس کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے۔ تو سب سے بڑھ کر اپنی موت کا معاملہ ہے لیکن اللہ والوں کو اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں۔

اولاد کی موت پر اہل اللہ کا صبر

اور ایک حیثیت سے اپنے مرنے سے بھی زیادہ اہم اپنی اولاد کا مرنا ہے کیونکہ وہ محبوب ہوتی ہے اور محبوب کی جان اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی یہ مگر ان کی حالت موت اولاد کے وقت بھی یہ ہوتی ہے کہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادہ کا عین عید کے دن انتقال ہوا ادھر جوان بیٹے کی نزع ہو رہی ہے اُدھر نماز کا وقت قریب ہے مولانا نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ لو بھائی خدا کے سپرد ہم تو اب جاتے ہیں کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے ان شاء اللہ اب قیامت میں ملاقات ہوگی یہ کہہ کر رخصت ہو گئے اور نماز کا اہتمام شروع کر دیا آنکھ سے تو آنسو جاری تھے لیکن ایک کلمہ بے صبری کا زبان سے نہیں نکلا خوش تھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی کے جوان صاحبزادہ کا انتقال ہو گیا لوگ تعزیت کے لئے آئے لیکن چپ بیٹھے ہیں کہ کیا کہیں۔ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے۔ اگر کہے کہ رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت اگر کہے کہ صبر کیجئے تو وہ خود ہی کئے بیٹھے ہیں۔ آخر ہر جملہ خبریہ کی کوئی نہ کوئی غایت تو ہونی چاہیئے بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس

پھر سارا مجمع چپ۔ لوگ آتے تھے اور کچھ دیر چپ بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب کے انتقال کا صدمہ

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا صدمہ حضرت مولانا کو اس درجہ ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہوگیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی کچھ ذکر کردے۔ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا اب میں وہاں پہنچ کر متحیر کہ یا اللہ کیا کہوں۔ آخر چپ ہوکر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک مولانا ذوالفقار علی صاحب تھے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب سلمہ اللہ کے والد بڑے عاشق مزاج اور حضرت حاجی صاحب کے والہ وشیدا ان کا یہ رنگ تھا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب کے انتقال کے بعد اول مرتبہ ان سے ملنے گیا تو میری صورت دیکھتے ہی بڑے جوش کے ساتھ کہا ؎

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ست کہ مادو عاشقِ زاریم وکار ما زاری ست (۱)

اور آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے میں بھی آبدیدہ ہوگیا۔ خیر وہاں کچھ دل کی بھڑاس نکلی۔

حالت غم میں معمولات کی پابندی

حضرت مولانا گنگوہی پر اتنے بڑے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا ممکن کہ کسی معمول میں ذرا فرق آجائے چاشت تہجد اوّابین کوئی معمول قضا تو کیا کبھی موخر بھی نہیں ہونے پایا۔ یہاں تک کہ کھانا بھی جب سامنے آیا تو اُسے بھی خدا کی نعمت سمجھ کر کھالیا آنے والے کو یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انہیں کچھ بھی رنج نہیں حالانکہ رنج اس قدر ہوتا تھا کہ میں نے ایک عریضہ صاحبزادہ کی تعزیت کا لکھا تھا۔ اس کے جواب میں فقط مجھے یہ لکھا کہ شدت ضبط سے قلب و دماغ ماؤف

(۱) بلبل کی فریاد اگر میری فریاد سے مل جائے تو گویا دو عاشقوں کی فریاد ہوجائے گی میرا کام تو فریاد کرنا ہی ہے

ہوگیا ہے مجھ کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ بھی کیسے ظاہر فرما دیا بیحد عنایت تھی کہ اتنا لکھدیا۔ ورنہ وہاں ضبط کی یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا نہ چہرہ سے نہ زبان سے وہی معمولات وہی اذکار اشغال وہی تعلیم تلقین کسی معمول میں ذرا فرق نہیں۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے۔ یہ وہ قوت ہوتی ہے کہ ؂

موحد چہ برپائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ فولاد ہندی نہی برسرش(۱)
امید وہراسش نباشد زکس ۔۔۔ ہمیں ست بنیاد توحید و بس

اہل اللہ کا اطمینان واعتقاد

انکا اعتقاد اور حال یہ ہوتا ہے کہ لامعبود الا اللہ۔ لاحکیم الا اللہ۔ لامقصود الا اللہ (۲) کسی چیز کا اثر ان پر نہیں ہوتا یعنی عقل کو اور حواس کو پریشان نہیں کرتا باقی اثر کیوں نہ ہوتا۔ وہ بے حس تھوڑا ہی ہوجاتے ہیں بلکہ ان کی سی حس تو کسی میں نہیں ہوتی قلب پر بھی ان کے اثر ہوتا ہے مگر وہ اثر پریشانی کی حد تک نہیں پہنچتا بات یہ ہے کہ وہ سب شقوق پر رضامند رہتے ہیں کہ یوں ہوجاوے بہت اچھا یوں ہوجاوے بہت اچھا کسی حال میں ناراضی نہیں میرے الفاظ نہیں ہیں اس کیفیت کے بیان کرنے کو خدا نصیب کرے تو معلوم ہو۔ نہایت ہی اطمینان ہوتا ہے قلب کو ذوقی امر ہے۔ بیان سے سمجھ میں آ نہیں سکتا تاہم ہم لوگوں کو اگر خود وہ کیفیت حاصل نہیں ہے تو اس کے آثار کو تو دیکھ لیں آگ نہ نظر آوے تو اُس کا دھواں تو نظر آتا ہے دیکھئے سب سے بڑی چیز اپنی موت ہے، اس کے ساتھ دیکھ لیجئے ان حضرات کا کیا معاملہ ہے۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور کس ذوق وشوق سے فرماتے ہیں ؂

(۱) موحد کے پاؤں میں لرزش نہیں ہوتی ہے اس کے سر پر تلوار ہی کیوں نہ لٹک رہی ہو اس کو نہ کسی سے سوائے اللہ کے امید ہوتی ہے نہ خوف توحید کی بنیاد یہی ہے (۲) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی حکیم نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گرآید بسراین غم روزے تادر میکدہ شادان وغزل خواں بروم (۱)

شیخ فریدالدین عطار کا حال

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پہلے عطاری کی دوکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی دوکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے۔ ایک درویش کمبل پوش دوکان کے آگے کھڑے ہوکر انہیں تکنے لگے دیر تک ایسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو۔ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دوکان میں خمیرے شربت معجونیں بہت سی چپکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح کیسے نکلے گی جو اتنی چپکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت عطار کو باطن کا تو چسکا تھا ہی نہیں۔ بیدھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری بھی نکل جاوے گی درویش نے کہا کہ میاں ہمارا کیا ہے اور کمبل اڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گیا۔ اول تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر ہوگئی تو شبہ ہوا پاس جاکر کمبل اٹھایا تو وہ درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چوٹ دل پر لگی اور وہیں ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر پڑے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا اُسی وقت دوکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے۔ پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم (۲)

(۱) وہ کتنا خوش کن دن ہوگا جبکہ میں منزل ویران قبرستان کی طرف جاؤنگا راحت جان طلب کرونگا میں خوشی خوشی اس کی طرف جاؤنگا۔ میں نے یہ منت مانی ہے کہ جب یہ مبارک دن آئے گا تو غزل گاتا ہوا جاؤنگا (۲) فریدالدین عطار نے عشق الٰہی کے سات شہر گھوم لئے اور میں تو ابھی ایک کوچہ ہی میں بھٹک رہا ہوں۔

اہل اللہ کی دولت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جاوے جو ہمارے پاس ہے تو تلواریں لیکر ہم پر چڑھ آویں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ یہی بات ہے اس دولت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں سلطنت کی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور مجھ سے سوائے اس کے کہ جنکا یہ حال تھا ان کے اقوال نقل کروں، اور کیا ہوسکتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے　　به ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے (۱)

اسی کو خاقانی کہتے ہیں ؎

پس ازسی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی　　کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی (۲)

بالکل سچ بات ہے میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔

اہل اللہ کے اطمینان کی پہچان کا طریقہ

ہاں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یوں سمجھ میں نہ آوے تو خود امتحان کر لیجئے۔ اور جن کی یہ حالت ہے کچھ دن ان کے پاس رہ کر دیکھئے میرے دعوے کا یقین آجاویگا۔ اس کام کے لئے چھ مہینے خالی کرو۔ تین ماہ تو دنیا کے متمول لوگوں میں جا کر رہو اور تین مہینے اللہ والوں میں۔ اور ان دونوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کرو کہ کس کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے واللہ آپ دوزخ اور جنت کا فرق پاویں گے یہ میں نہیں کہتا کہ حضرات اہل اللہ کبھی بیمار نہیں پڑتے یا ان کا کبھی کوئی بیٹا نہیں مرتا یا ان پر کوئی مصیبت نہیں آتی اول تو واقعی ان پر مصیبتیں

---

(۱) دل کے فراغ کے ساتھ کسی کامل ماہ رو پر نظر کرنا۔ شاہی کرّ وفر جس میں ہر وقت شور وغوغا ہو سے بہتر ہے۔ (۲) تیس سال کے بعد خاقانی کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ اللہ کے ساتھ ایک گھڑی کا گذرنا ملک سلیمانی سے بھی بہتر ہے

کم آتی ہیں اور اگر ایسا موقع ہوتا بھی ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتے صورۃً نہیں بلکہ حقیقۃً پریشان نہیں ہوتے۔ اور یوں تو آخر وہ بھی بشر ہیں [۱] واقعات سے ان کو کوفت بھی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ان سے بعض معاصی [۲] بھی صادر ہوجاتے ہیں یہ نہیں ہے کہ وہ فرشتے ہوجاتے ہیں اور انکو گناہ کا میلان ہی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض عوام کا اعتقاد ہے اور واقعی میلان کا ہونا یہی تو کمال ہے۔ گناہوں سے بچنے میں فرشتوں کا کیا کمال ہے کیونکہ انہیں میلان ہی نہیں ہوتا اس غرّہ میں نہ رہنا۔ حضرت ان کو میلان ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اوروں کو بلکہ بعض دفعہ اوروں سے بھی زیادہ کیونکہ ان کی حِس نہایت لطیف ہوجاتی ہے مگر ہاں اس کے ساتھ ہی چونکہ اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق ہے اس لئے تقاضائے نفس کے روکنے میں جو کلفت ہوتی ہے اس کو برداشت کرتے ہیں اور واللہ اُس کلفت میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ سلطنت کی لذت میں بھی وہ مزا نہیں جو اس لذت میں ہے۔ اس کے سامنے سلطنت کی لذت کی کچھ حقیقت نہیں مثلاً ابتلا ہوگیا کسی صورت کے ساتھ بلا قصد وباوجود اہتمام احتراز ہوتا ہے ایسا، کیونکہ ادھر تو ان کا ادراک لطیف ہوتا ہے اور پھر کسی کی تحقیر قلب میں ہوتی نہیں اس لئے ان کو جس سے ہوتا ہے بیحد میلان ہوتا ہے بس یہ حالت ہوتی ہے ۔

درون سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ　　بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ [۳]

محبوب حقیقی کے لئے مصائب کو برداشت کرنا

مگر ساتھ ہی چونکہ انہیں محبت کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوتا ہے طبعی بھی اور عقلی

(۱) انسان ہیں (۲) گناہ (۳) سینہ کے اندر ایک بے نشان زخم مارا ہے میں حیران ہوں بغیر کمان کے اس نے کیسا تیر مارا۔

بھی۔ اس لئے وہ محبت اس محبت پر غالب ہوتی ہے۔ اور وہ اس کو غالب کرتے ہیں عمل کر کے۔ یعنی اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنا۔ کف عن المعصیت (۱) نظر کو روکنا خیال کو روکنا۔ تصورات کو روکنا گو اس میں سخت ضیق (۲) پیش آتی ہے لیکن اس کو برداشت کرتے ہیں اپنے محبوب حقیقی کے واسطے۔ پھر ایک وجدانی حلاوت محسوس ہوتی ہے اسکی بدولت۔ قول سعدی کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں ۔

خوشا وقت شوریدگان غمش	اگر ریش بینند و گر مرہمش
دمادم شرابِ الم درکشند	دگر تلخ بینند دم در کشند (۳)

اس ضبط کا کیا اثر ہوتا ہے۔ بس تھوڑے ہی دنوں کے بعد لذت آنے لگتی ہے کہ یہ ساری کلفت تھی کسی کے لئے وہ بزبان حال کہتے ہیں ۔

بجرم عشق توام میکشند غو غائیست	تو نیز برسرِ بام آ کہ خوش تماشائیست (۴)

بس اس سے انکو حظ ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے لئے یہ سب کلفتیں برداشت کرر ہے ہیں ۔

خورند از برائے گلے خارہا	کشند از برائے ولے بارہا (۵)

اور وہ کبھی ہمت نہیں ہارتے ان کا عمل اس پر ہوتا ہے ۔

طلبگار باید صبور وحمول	کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول (۶)

اوران کا یہ مذہب ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حضرت عارف شیرازی ۔

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم	کہ من نیز از خریدارانِ اویم (۷)

(۱) گناہ سے رکنا (۲) تنگی ہوتی ہے (۳) ہردم رنج الم کی شراب پی رہے ہیں اور تلخ محسوس ہو تو اظہار بھی نہیں کرتے (۴) تیرے عشق کے جرم میں میں یہ غم و پریشانی برداشت کر رہا ہوں تو بھی دروازے پر آ کر دیکھ خوب تماشا لگا ہوا ہے (۵) گلوں کی خاطر کانٹے بھی برداشت کئے بارہا اس کی خاطر تکالیف برداشت کی ہیں (۶) طالب کو صابر اور متحمل ہونا چاہیے کبھی کسی کیمیا گر کو رنجیدہ نہیں سنا (۷) میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ محبوب کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں بھی اس کے چاہنے والوں میں ہوں۔

چاہے کوئی لذت بھی نہ ہو۔ فرحت بھی نہ ہو۔ اگر لذت اور فرحت کے لئے امتثال کیا تو کیا امتثال کیا لذت اور فرحت کچھ بھی نہ ہو پھر بھی وہ یوں کہتے ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم   کہ من نیز از خریداران اویم

بس فقط محبوب حقیقی کے راضی کرنے کے لئے ان سب کلفتوں کو برداشت کرو۔ پھر خواہ وہ ان کلفتوں کو مٹاویں نفس و شیطان پر غالب کرکے اور راحت فرماویں یا اسی طرح کشاکشی میں مبتلا رکھیں مگر اپنی طرف سے اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے نفس کے روکنے میں جو کلفتیں پیش آویں برداشت کرو۔ اور کچھ نہیں تو وہ تو دیکھیں گے کہ میرے راضی کرنے کے لئے کیسے کیسے تقاضوں پر غالب آرہا ہے۔ باقی میں بشارت دیتا ہوں کہ چند روز تو امتحان ہوگا پھر اُدھر سے مدد شروع ہوگی اور ان شاء اللہ آپ کو سب تقاضوں پر غالب کردیا جاوے گا۔

اپنی پوری کوشش کرو

کیوں صاحب پہلوانوں کو کشتی لڑتے نہیں دیکھا، پہلوان پورا زور صرف کرتا ہے تب مقابل کو پچھاڑتا ہے۔ بیکار ہوکر تو نہیں کھڑا ہوتا۔ اسی طرح تمہارا نفس وشیطان سے مقابلہ ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ دل کے اوپر کوئی مار نہ ہو اور غلبہ ہوجاوے۔ پوری کوشش کرو۔ سرکار عالی، ہمت دیکھ کر اگر تم میں قوت بھی نہ ہوگی غالب آنے کی تب بھی، غالب کردیں گے جب دیکھیں گے کہ عاجز آگیا ہے خود مدد فرمادیں گے۔ تم اپنا سازور کرکے تو دیکھ لو۔ اگر کہو کہ صاحب اختیار میں نہیں تو یہ صریح قرآن وحدیث کی تکذیب ہے۔ قرآن وحدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اُس قدرت سے کام لو جب تم عامل ہوگے تو تمہیں خود معلوم ہوجاویگا کہ واقعی ہمیں قدرت حاصل ہے۔

رہا شیطان سو بخدائے لایزال میں سیکڑوں قسمیں کھاتا ہوں کہ مومن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوسکتا۔ ہر مومن ہر شیطان پر غالب ہے مثلاً نظر حرام کے موقع پر آنکھ اپنی نیچی رکھیں۔ پھر شیطان کیا زبردستی اوپر کریگا۔ ہاں شاید کوئی شیطان الانس ایسا بھی کردے تو آنکھیں بند کرلے اور اگر اس پر بھی نہ مانے اور زبردستی آنکھیں چیر کر کھولے تو نظر کی شعاع کو آگے نہ بڑھنے دے۔ یہ تو اس جابر کے اختیار میں نہیں (۱) غرض کوئی بات نہیں جو انسان نہیں کرسکتا۔ ہاں تکلیف ضرور ہوتی ہے سو اسکو برداشت کرنا چاہیئے، خدا کے ساتھ تو نسبت اور پھر تکلیف سے بچنا چاہو (۲)۔ حضرت بلا تکلیف اٹھائے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا ؎

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد (۳)

اپنی طرف سے تو ساری عمر تکلیف میں رہنے کے لئے آمادہ ہوجانا چاہیئے پھر مالک چاہے دو دن بھی تکلیف میں نہ رکھے۔ تم کو تجویز کرنے کا کیا حق حاصل ہے یہ خدائی ہے یا بندگی ہے جناب یہ بندگی ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ بس اپنا مذہب یہ رکھنا چاہیئے ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش (۴)

سو چو تو کہ اگر خدا ناکردہ ساری عمر کے لئے کوئی بیماری لگ جاوے مثلاً اندھا ہوجانا ہے، تو کیا مر رہوگے آخر برداشت کروگے اور عمر اسی طرح تیر کردوگے۔

تفویض اختیا کرو

اسی طرح اگر حق تعالیٰ کسی باطنی مصیبت میں مبتلا کردے تو صبر کرو انشاء اللہ غالب آؤگے۔ اور اگر کلفت برابر بھی رہے گی تو کیا ہے اگر اسی میں مر گئے تو

(۱) شیطان زبردستی تو تمہاری نظروں کی شعاؤں کو اس نامحرم تک نہیں پہنچا سکتا (۲) خود کو اللہ کا بندہ کہتے ہو اور پھر تکلیف سے بچنا چاہتے ہو (۳) ناز پروردہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا عاشقی تو جفاکشوں کا کام ہے (۴) جب کھونٹے سے باندھ دیں چپ کھڑا رہے جب کھول دیں تو چھلانگیں مارے۔

شہیدا کبر مرو گے حدیث شریف میں ہے مَنْ عَشِقَ فَكَتَمَ وَعَفَّ مَاتَ شَهِيدًا اگر کوئی عشق میں مبتلا ہو جاوے اور عفت اختیار کرے اور دوسرے کو رسوا نہ کرے بلکہ اپنے عشق کو چھپائے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جائے تو وہ شہید مرتا ہے۔ تصور بھی خلاف شریعت نہ کرے چاہے اس گھٹن اور تکلیف سے مر ہی جاوے لیکن خلاف شریعت کوئی کام نہ کرے سنو تو آخر کسی دن تو مرو گے۔ یہ کیوں چاہتے ہو کہ نیت باندھ کے مریں یعنی مریں بھی جیسے ہم چاہیں جب پیدا نہیں ہوئے اپنی مرضی کے موافق تو موت اپنی مرضی کے موافق کیوں چاہتے ہو (کاتب وعظ عرض کرتا ہے کہ بیان نہایت جوش وخروش کے ساتھ ہو رہا تھا اور مجمع میں ایک سکتہ کا سا عالم تھا بالخصوص ایک صاحب پر جو عشق مجازی میں مبتلا تھے بیحد اثر تھا اور ان پر نہایت شدت کے ساتھ گریہ طاری تھا۔ ان کو ایک دوسرے صاحب بار بار دیکھتے تھے۔ حضرت نے ان کو جھڑکا کہ یہ کیا لغو حرکت ہے۔ تم اپنے کام میں لگو) تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ جیسے ہم چاہیں ویسے زندہ رہیں اور جیسے ہم چاہیں ویسے مریں تمہیں تجویز کرنے کا حق کیا ہے۔ خدا تعالیٰ جیسے چاہیں گے رکھیں گے آرام میں یا تکلیف میں اور جس حالت میں چاہیں گے ماریں گے۔ لیکن میں بشارت دیتا ہوں کہ اگر تم اپنی طرف سے عمر بھر تکلیف میں رہنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ گے تو اس تفویض کی برکت سے انشاء اللہ بہت جلد راحت نصیب کر دیں گے۔ اور ایسی راحت نصیب کرینگے جس کو تم بھی راحت سمجھو گے۔ ہمت کر کے تو دیکھو۔

نفس کو جبراً گناہ کرنے سے روکو

چندروزے جہد کن باقی بخند۔ بس چند روز کی مصیبت ہے پھر ہنسنا ہے۔ کھیلنا ہے۔ وعدہ ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾ نافرمانی میں خاص اُسی وقت تو لطف آجاتا ہے لیکن پھر بعد کو بس پوری مصیبت کا سامنا ہے۔ مثلاً دن کو ایک حسین عورت سامنے سے گذری۔ نفس نے دیکھنے کا بہت تقاضا کیا لیکن فوراً آنکھیں بند کرلیں نظر کے روکنے میں اس وقت تو بہت تکلیف ہوگی لیکن جب الگ ہوگئے تو واللہ دیکھو گے کہ دل میں ایک بہار ہوگی اور سارا دن ساری رات آرام میں گذریگا اور اگر نظر بھر کر دیکھ لیا اور پھر چار دن نظر نہ آئے تو دوزخی کی زندگی گذرے گی کہتے ہیں کہ صاحب نظر کے روکنے کی کلفت نہیں اٹھتی میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کی تو کلفت نہ اٹھی اور چار دن کی کلفت اٹھالو گے یہ تو وہی ہوا کہ گنا نہ دے بھیلی دے (۱) بعض کو بعض معاصی (۲) کی نسبت یہ غلطی ہوگئی ہے کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دل کھول کر گناہ کرلینے سے ارمان نکل جاویگا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے قلب کے اندر جڑ اور زیادہ جمتی ہے گو اس وقت کچھ تسکین سی ہوجاوے۔ تمباکو کی سی لت ہے کہ جتنا پیوگے اتنی ہی اور لت بڑھے گی۔ اور اگر ہر بار خواہش کو روک لوگے تو کچھ دن بعد بالکل بجھ جاویگی یوں ہی نفس کو مارو۔ ان شاء اللہ مادہ فاسد جڑ پیڑ سے نکل جاویگا خلاصہ عذر کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب ہمت نہیں ہوتی۔ دین کے واسطے تو ہمت نہیں ہوتی اور دنیا کے واسطے بری ہمتیں کرتے ہو۔ حضرت اگر کوئی حاکم آپ پر ایک شخص کو مسلط کردے کہ جس وقت یہ نامحرم پر نظر کرے فوراً اس کی آنکھوں میں تکلے (۳) دیدینا تو سچ کہئے کیا پھر بھی نظر کو نہ روک سکو گے۔ دیکھیں تو پھر نظر کیسے نہیں رکتی۔ پھر افسوس ہے اللہ میاں کے تکلوں کا ڈر نہیں۔ بات یہ ہے کہ تکلیف اٹھانا گوارا نہیں۔ ورنہ سب کچھ ممکن ہے۔ خدا کے طالب نہیں راحت کے طالب ہیں۔

(۱) گنا تو دیا نہیں اور گنے کی پوری پوٹ دیدی (۲) بعض گناہوں کے بارے میں (۳) کانٹے چبھانا۔

حقیقی راحت ذکر اللہ میں ہے

مگر راحت حقیقی بھی تو اللہ ہی کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے فرماتے ہیں
﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (۱)

ہیچ کنجے بے ددو بے دام نیست جز بہ خلوت گاہِ حق آرام نیست

جدھر جاؤ مصیبت ؎

گر گریزی بر امید راحتے زاں طرف ہم پیشت آید آفتے

پس بجز خلوت گاہ حق کے کہیں آرام نہیں ؎

ہیچ کنجے بے ددو بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

اطمینان قلب کہیں میسر نہیں ہوسکتا۔ اگر اطمینان قلب چاہتے ہو تو قلب کے اندر اللہ کی یاد بسالو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ذکر شروع کرتے ہی اطمینان کا درجہ کامل ہوجاویگا بلکہ جب ذکر سبب ہے اطمینان کا تو جتنا ذکر بڑھے گا اتنا ہی اطمینان کا درجہ بڑھیگا۔ جب ذکر کامل ہوجائیگا اطمینان بھی کامل ہوجاویگا پھر اس دولت سے مشرف ہوگے مرتے وقت، اور صاحب سچ یہ ہے کہ ہزار زندگیاں قربان ایسے مرنے پر کہ ارشاد ہوگا ﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ ''اے جان اطمینان والی جس کو ذکر اللہ میں چین تھا آجا اپنے رب کی طرف اور لفظ ارجعی میں ایک لطفیہ ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ تم تو خدا ہی کے پاس تھے یہاں تو تم آکر اجنبیوں میں مبتلا ہوگئے تو تمہارا مرنا اصل کی طرف واپس جانا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہر کسے دور ماند از وصل خویش باز جوید روزگار وصل خویش

(۱) آگاہ رہو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو آرام ملتا ہے۔

حضرت عارف جامی کہتے ہیں ؎

دلاتا کے دریں کاخِ مجازی کنی مانند طفلاں خاک بازی
چرا از آشیاں بیگانہ گشتی چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی

اہتمامِ آخرت

اب اس سے یہ بھی سمجھ لو کہ پھر تم کو دنیا و آخرت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے اور اس کو اس مثال سے سمجھو کہ تم کبھی جلال آباد سے مظفر نگر جاتے ہو تو جو چیز وہاں اچھی ہوتی ہے اس کو یہاں لاکر برتتے ہو پھر یہاں دنیا میں آکر آخرت سے کیوں ایسے اجنبی ہوگئے۔ چاہیئے یہ کہ دنیا بھی ملے تو آخرت ہی کے واسطے لیجاؤ۔ قارون کو خطاب ہے ﴿وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''دنیا میں سے کچھ حصہ آخرت کے لئے لے اور بھول مت اپنے اس حصہ کو الخ'' باہر جلال آباد کے تلاش معاش میں جاتے ہو وہاں سے کما کر لاتے ہو اور یہاں کھاتے ہو اسی طرح آخرت کے لئے یہاں سے کمائی کر کے اور بٹور بٹار کر وہاں لے جاؤ۔ یہاں سے ذخیرہ آخرت جمع کر کے اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔ دنیا میں آخرت کی فکر سے غافل مت رہو کیونکہ جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ کر جانا ہے اور یہاں سے لوٹ کر وہاں جاؤ تو کس طرح جاؤ۔ جس طرح آگے اس نفس کے خطاب میں فرماتے ہیں رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً تم اللہ سے راضی ہو اللہ تم سے راضی ہو دیکھئے بہت لوگ لاکھوں روپیہ حکام کے خوشنودی کرنے کو خرچ کرتے ہیں۔ کیا ہر ہر حاکم کی خوشنودی تو مطلوب ہو اور حاکم حقیقی ہی کی خوشنودی مطلوب نہ ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ میرے خاص بندوں میں

داخل ہوجا اے نفس مطمئنہ اور داخل ہوجا میری جنت میں حق تعالیٰ نے یہاں دو ثمرے ذکر فرمائے ہیں۔ خاص بندوں میں شامل ہونا اور جنت میں داخل ہونا۔ ذرا غور تو کیجئے خاص بندوں میں داخل ہونے کو پہلے فرمایا ہے پھر جنت میں داخل ہونا مذکور ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز خاص بندوں میں شامل ہونا ہے جس کی بدولت جنت ملے گی۔ اس جگہ اشارۃً یہ بات بھی ظاہر فرمادی کہ اگر ہمارے خاص بندوں کے ساتھ لگے لپٹے رہو گے تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہوجاویگا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق(۱)

بغیر شیخ اصلاح ممکن نہیں

بہت لوگ اس غرہ میں ہیں کہ کتابیں دیکھ کر ہم کرسکتے ہیں اپنی اصلاح۔ کیونکہ کتابوں میں سب طریقے مذکور ہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ واقفان فن اور اہل تجربہ سب اس پر متفق ہیں کہ عادۃً ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا بدون ماہر فن شیخ کامل کے آدمی تنہا اپنی اصلاح نہیں کرسکتا محض کتابیں دیکھ کر۔ تربیت باطن تو بڑی چیز ہے دنیا ہی میں نظیریں دیکھ لو بلا استاد کے کوئی فن نہیں آسکتا کتاب خوانِ نعمت موجود ہے۔ اُس میں سب کھانوں کی ترکیبیں مفصل درج ہیں۔ یعنی پلاؤ کس طرح پکایا جاتا ہے۔ شامی کباب کس طرح بنتا ہے بھلا کوئی پلاؤ اور شامی کباب پکا تو لے بے استاد کے محض کتاب میں ترکیب دیکھ کر اسی طرح تربیت باطن ہو نہیں سکتی بدون شیخ کے مولانا فرماتے ہیں ۔

یار باید راہ را تنہا مَرو بے قلاوُز اندریں صحرا مرو(۲)

(۱) اللہ کی عبادت اور اہل اللہ کی توجہ کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہوجاؤ تو ورق سیاہ ہی رہے گا (۲) اس راہ پر تنہا مت چلو کسی راہبر کو ساتھ لے لو۔

کوئی رفیق ڈھونڈو بدون رہبر کے اس صحرا میں قدم مت رکھو۔ آگے فرماتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید(۱)

یعنی اگر شاذ و نادر کسی نے اس راہ کو تنہا قطع بھی کرلیا ہے تو یہ محض ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے ورنہ دراصل کسی نہ کسی مرد خدا کی توجہ اس کے ساتھ بھی متعلق رہی ہے گو خود اس کو اُس کی خبر بھی نہ ہو کہ کدھر سے یہ فیض آرہا ہے۔

حقیقت بیعت

میں یہ نہیں کہتا کہ مرید ہوجاؤ۔ یہ پکھنڈ ہے بیعت برکت کی چیز ضرور ہے۔ اس سے انکار نہیں لیکن اصل چیز محبت اور اتباع ہے اس کے ہوتے ہوئے اگر عمر بھر بھی مرید نہ ہو تو مطلق حاجت نہیں بڑا ناس کیا ہے پیری مریدی کا بہت سے پیروں نے۔ لوگوں کو یہ سکھلایا ہے کہ بغیر مُرید ہوئے کچھ نفع ہی نہیں ہوتا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ان سے اگر کوئی مرید ہوگیا پھر چاہے اس کی کیسی ہی بری حالت ہو تب بھی اُس سے راضی اور اگر مرید نہ ہو تو بعضے اس کو تعلیم تلقین ہی نہیں کرتے جب تک مرید نہ ہو یعنی وہ لوگ عام طور پر اذکار و اشغال بتلانے سے بخل کرتے ہیں۔ جیسے کوئی طبیب ہو جس کو کچھ آتا جاتا نہ ہو وہ اپنے مطب کے نسخوں کی بڑی حفاظت کرتا ہے اگر مطب کے نسخے ہی بانٹ دیئے تو پھر اس کے پاس کیا رہ جاوے گا۔ خلاصہ یہ کہ مرید چاہے ہو یا نہیں لیکن کسی محقق سے تعلق پیدا کرو اگر منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو پہلے راستے ڈھونڈو۔ اول تو بعضے تعلق ہی نہیں پیدا کرتے اور بعضے تعلق پیدا کرتے ہیں تو صرف یہ کہ مرید ہوگئے۔ بس اسی کو کافی

(۱) جس نے بظاہر یہ راہ بغیر راہبر کے طے کی ہے وہ بھی کسی بزرگ کی توجہ سے کی ہے۔

سمجھتے ہیں، رہا ذکر شغل وغیرہ اور اصلاح نفس اس کو پیر کے ذمہ سمجھتے ہیں گویا جس کو استاد بنایا اُسی کے ذمہ سبق بھی یاد کرنا ہو گیا۔ ارے اگر استاد نے سبق بھی یاد کر لیا تو اس کے یاد کر لینے سے تجھے تو یاد نہیں ہو گیا۔ یہ سمجھ رکھا ہے کہ مرید ہوتے ہی بس سب ٹاٹ پالان پیر کے ذمہ ہو گیا۔

جاہل پیر کا حال

بقول کسی جاہل دیہاتی کے پیر کے۔ ایک گاؤں کا پیر اپنے ایک دیہاتی مرید کے پاس پہنچا پیر صاحب کسی بیماری سے اٹھے تھے اس لئے دبلے بہت ہو رہے تھے۔ دیہاتی نے دیکھ کر کہا ارے پیر توں (یعنی تو) دبلا بہت ہو رہا ہے۔ پیر صاحب کو موقع مل گیا۔ کہا ارے بھائی دبلا نہ ہوں تو کیا ہوں۔ روزے تم نہیں رکھتے وہ مجھے رکھنے پڑتے ہیں تمہارے بدلے، نماز تم نہیں پڑھتے وہ مجھے پڑھنی پڑتی ہے تمہاری طرف سے۔ روزے نماز پڑھنے نے مجھے دبلا کر رکھا ہے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مجھے تمہارے عوض پلصراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ دیہاتی نے یہ سن کر کہا کہ واہ واہ تجھے بڑی محنت ہمارے لئے کرنی پڑی۔ جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دے دیا پیر صاحب نے سوچا کہ یہ دیہات کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار اب تو دے رہے ہیں پھر کہیں نیت بدل جائے۔ اس لئے ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ کہا تم چل کر قبضہ کرا دو دیہاتی ساتھ ہو لیا اور پیر کو آگے کیا کہ اچھا چل میں تجھے وہ کھیت دکھلا دوں۔ راستہ میں کھیتوں کی ڈولیں پڑیں چلتے چلتے پیر صاحب کا پیر جو پھسلا تو مینڈھ کے نیچے جا رہے (۱) دیہاتی نے اوپر سے ایک لات اور رسید کی کہ سہری تُو

(۱) نیچے گر گئے۔

تو کہتا تھا کہ میں تمہاری عوض پلصراط پر چلتا ہوں جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے چار انگل کی میڈ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا پلصراط پر تو کیا چلتا ہوگا تو جھوٹا ہے۔ جا ہم کھیت نہیں دیتے یہ کہہ کر رستہ ہی سے لوٹ آیا۔ لات ماری الگ، اور کھیت چھین لیا سو الگ۔ اب ایسے جھوٹے پیروں نے صدییں گذر گئیں ذہن نشیں کرا رکھا ہے کہ پیر سارا بوجھ اٹھا لیتا ہے آخرت کا بوجھ بھی اُسی کے سر پر اور دنیا کا بوجھ بھی اسی کے سر پر۔ تو وہ پیر کاہے کو ہوا پلّہ دار ہوا آخرت کا اور دنیا کی مثال بھنگی کی سی ہوئی کہ ہگو تم اور اٹھاوے وہ۔ مقدمہ بھی اُسی کے ذریعہ فتح ہوجاوے گا۔ بیٹا بھی اُسی کے ذریعہ ہوجاوے گا۔ جی وہ تو دنیا کا اپنا بوجھ بھی نہیں اٹھاتے تمہارا تو کیا اٹھاویں گے۔

پیر و مرید کا تعلق

یہاں پر میں ایک مثال دیتا ہوں جو دوستوں کے کام آویگی۔ پیر اور مرید کا تعلق بالکل مریض اور طبیب کا سا ہے مریض اگر طبیب سے صرف یہ کہدے کہ میں آج سے تمہارا مریض ہوں اور طبیب اس سے اقرار کرلے کہ میں آج سے تیرا طبیب ہوں تو کیا محض اس عہد و پیمان ہی سے شفا ہوجاوے گی ہرگز نہیں۔ علاج تو کرانا ہی ہوگا۔ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جا کر طبیب سے خود مرض کو بیان کرتے ہیں خود کہتے ہیں کہ یہ روگ ہے مجھے۔ یہ نہیں کرتے کہ گئے اور چپ بیٹھ گئے۔ اسی طرح روز چار گھنٹے بیٹھ آئے نہ کچھ حال کہنا نہ نسخہ لکھوانا۔ نہیں بلکہ وہاں تو بار بار ایک ایک حال کو بالتفصیل طبیب کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتا بھی ہے کہ میں سمجھ گیا لیکن اصرار ہوتا ہے کہ ذرا اور سن لیجئے تسلی نہیں ہوتی کہ شاید کوئی اور بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو۔ لیکن پیر کمبخت کی یہ کمبختی کہ اس سے کوئی حال اپنے امراض

باطنی کا نہ کہا جاوے بلکہ تمہارے اندر جو امراض ہیں ان کو وہ خود ہی بیان کرے اور خود ہی بدوں تمہاری طلب کے اون کا اعلاج کردے تو گویا وہ فوٹو گراف ہوا کہ تمہارے دل کے اندر جو کچھ ہے وہ خود بخود اس کے دل میں آجاوے۔

حقیقت کشف

اور اگر کشف کا بھروسہ ہو تو خوب سمجھ لیجئے کہ اول تو کشف اختیاری نہیں کہ جس وقت چاہا دوسرے کے دل کا حال معلوم کرلیا۔ دوسرا اگر کشف ہو بھی گیا تو بدون تمہارے طلب کئے اس کی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ زبردستی سر ہوتا پھرے، وہ محتاج نہیں ہے یہ خود محتاج ہے مانگے گا تو دیں گے۔ اور اگر مانگتے بھی عار آتی ہے تو ان کی جوتی سے۔ پھر یہ بھی ہے کہ کشف کی اُن کے نزدیک کوئی قدر نہیں۔ وہ نہ اس کو کمال سمجھتے ہیں نہ اس پر اعتماد رکھتے ہیں۔ کشف را برکفش زنند(۱) اور واقعی کشف کوئی چیز قابل قدر کے ہے بھی نہیں۔ کافروں تک کو کشف ہوتا ہے۔ جوگیوں کو کشف ہوتا ہے۔ شیطانوں کو کشف ہوتا۔ بلکہ جانوروں تک کو کشف ہوتا ہے۔ یہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بہائم کو قبر کا عذاب منکشف ہوتا ہے۔ لو صاحب یہ حقیقت ہے کشف کی جس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں پیروں کا۔

مشائخ سے اپنا حال بیان کرو

غرض یہ ہے کہ طبیب سے جس طرح رتی رتی اپنا حال ظاہر کردیتے ہو اور اپنے روگ چھپانا نہیں چاہتے اسی طرح پیر سے بھی اپنا کچا چٹھا بیان کردو۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ خود تو کیا بیان کرتے اگر کوئی پیر خود ہی کسی بات پر ٹوکتا ہے تو باتیں بنانے بیٹھ جاتے ہیں۔ کسی غلطی پر متنبہ کیا تو وہیں اس کی توجیہہ کرنی شروع

(۱) کشف کو جوتی پر مارو۔

کردی۔ جب تم کہتے ہو کہ ہمارے اندر عیب نہیں تو دوسرا کس چیز کی اصلاح کرے۔ جب تم بیمار ہی نہ ہو تو طبیب علاج کیا کرے ؎

اے خواجہ درد نیست وگر نی طبیب ہست (۱)

مولانا فرماتے ہیں:

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ہر کجا پستی ست آب آنجا رود (۲)

جب تم نے مرض ہی نہ بیان کیا تو کوئی علاج کیا کرے اگر پیر کسی عیب پر متنبہ کرے تو اس کی تقریر کو خوب غور سے سنے اور سوچے سمجھے۔ یہ نہیں کہ توجیہ کرنی شروع کردے۔ بلکہ اگر وہ عیب اس میں نہ بھی ہو تب بھی اس کا کیا بگڑ گیا۔ چلو ایک کام کی بات ہی معلوم ہوگئی۔ اگر خارش نہیں ہے تب بھی نسخہ تو پوچھ لو کسی وقت کام آوے گا۔ پھر تمہارا یہ سمجھنا بھی قابل اعتبار نہیں کہ ہم میں یہ عیب نہیں بعض اوقات اپنا مرض خود اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔ طبیب نے نبض اور قارورہ دیکھ کر اپنی بصیرت فن سے یہ تشخیص کیا کہ خارشت کا مادہ یعنی سودا بدن میں پیدا ہو چکا ہے اس کا جلد انسداد کرنا چاہیئے ورنہ عنقریب خارشت ہونے والی ہے یہ سن کر مریض کو چاہیئے کہ فوراً علاج کی فکر شروع کردے یہ نہیں کہ اس کی تردید شروع کردے کہ نہیں صاحب میں بالکل تندرست ہٹا کٹا ہوں مجھے کیوں خارشت ہوتی۔

شیخ سے رجوع کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ پیر کے سامنے اپنا اصلی مرض بھی بیان کردو اور خود بیان کردو۔

(۱) اے بھائی تمہیں درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہے (۲) جہاں درد ہو دوا دی جاتی ہے جہاں رنج ہو شفا پہنچتی ہے جہاں مشکل پیش آئے جواب دیا جاتا ہے جہاں پستی ہو پانی وہیں جاتا ہے۔

اس کے منتظر نہ رہو کہ وہ خود پوچھے یا کشف سے معلوم کرلے جب طبیب سے سب حال کہہ دیا جاتا ہے تو وہ مرض تشخیص کر کے نسخہ لکھتا ہے۔ اس کے استعمال کے بعد پھر اطلاع حالات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اب یہ حال ہے، پھر اس کے مطابق نسخہ میں مناسب تغیر تبدل کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ شیخ سے رجوع کرنے کا ہے کہ اول مرض بیان کردو پھر وہ جو کچھ تجویز کردے ذکر شغل مجاہدہ یا اور کچھ علاج اس پر عمل کر کے اطلاع ان باتوں کی دو کہ یہ مرض تشخیص کیا گیا تھا۔ یہ علاج تجویز کیا گیا۔ اس کو میں نے اتنے دن استعمال کیا اب یہ حال ہے۔ اب ہم آگے کونسا نسخہ استعمال کریں اب آپ ایمان سے بتلا دیجئے فیصدی کتنے روحانی مریض ہیں جو ایسا معاملہ پیروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر الٹی پیروں کی شکایت ہے کہ توجہ نہیں کرتے اب پیر کیا کرے۔ کبھی تم نے اپنا مرض بیان کر کے علاج تجویز کرا کے اس پر عمل کر کے حالات کی اطلاع دے کر آئندہ کو ہدایت لی۔ یا بس ہاتھ میں ہاتھ دیکر اور مریدی کا نام کر کے پھر غائب غلہ۔ سب کام طریقہ سے ہوا کرتے ہیں۔ غرض فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ میں جو خاص بندوں کے ساتھ شامل ہونے کا ذکر ہے اس کا طریقہ برتاؤ کرنے کا یہ ہے جو میں نے بیان کیا دو چیزیں خلاصہ کے طور پر یاد رکھئے۔ اطلاع و اتباع۔ یہ دونوں لفظ ہم قافیہ بھی ہیں۔ آسانی کے ساتھ یاد بھی رہ جاویں گے۔ امراض اور حالات کی اطلاع کرتا رہے اور جو کچھ شیخ تجویز کردے اس کا اتباع کرتا رہے بس انہیں دو چیزوں کو عمر بھر لئے رہے اپنا کچا چٹھا کہہ دے۔ لوگ پیروں سے بھی اپنے مرضوں کو چھپاتے ہیں۔ بھلا بے کہے کسی کا مرض کیسے آجاوے ذہن میں یہاں تک چاہیئے کہ اگر کوئی نیا کام دنیا کا بھی کریں تو اتنا پوچھ لیں کہ باطن میں تو مضر نہ ہوگا۔ ہم یہ تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے

مناسب ہے یا نہیں۔ اس غرض سے نہ پوچھے کہ یہ معلوم ہو جاوے گا کہ اس تجارت میں نفع ہوگا یا نہیں اور پیر صاحب اللہ میاں سے پوچھ کر کہہ دیں گے کہ ہاں ہوگا۔ اس غرض سے ہرگز نہ پوچھئے یہ گندی غرض ہے۔ بلکہ یہ پوچھے کہ ہم فلاں تجارت کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے باطن کو تو مضر نہ ہوگی۔ ہم فلاں عہدہ پر منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم انگریزی پڑھنا چاہتے ہیں یا طب پڑھنا چاہتے ہیں یہ ہمارے باطن کو تو مضر نہ ہوگا۔ یہ ہیں پوچھنے کی باتیں اب تو یہ حال ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا۔ پیر کو خبر بھی نہیں چاہے باطن کا پڑا (۱) ہو جاوے کہتے ہیں یہ ہمارے دنیا کے معاملات ہیں ان کی اطلاع کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ ان معاملات کا بھی باطن پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے جب کوئی نیا کام دنیا کا کرے ضرور اس کی اطلاع کر کے پیشتر مشورہ لے لے یہ ہے گویا طریقہ اپنی اصلاح کا یاد رکھو ان سے اپنے امراض کا کہنا ضروری ہے۔

خاص بندوں میں داخل ہونے کا طریقہ

اور اگر ان سے اپنے امراض اس لئے چھپاتے ہیں کہ ہم کو ذلیل سمجھیں گے تو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس کو پیر ہی نہ سمجھا۔ اول تو ان میں تکبر نہیں ہوتا وہ خود اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ پھر ایسا شخص دوسروں کو کیا ذلیل سمجھے گا۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو اہل تحقیق میں سے ہیں وہ اللہ جانے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے غصہ کرنا اور بات ہے اس کے راز ہیں دو۔ دو چیزیں ان کی نگاہ میں ہر وقت رہتی ہیں۔ ایک تو اپنے عیوب جس کی دونوں آنکھیں پٹ ہوں وہ کانے پر کیا ہنسے۔ دوسرے وہ عالم میں حق تعالیٰ کے تصرفات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ سب

(۱) چاہے باطن کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو جائے۔

کی ڈوریاں اللہ میاں کے ہاتھ میں ہیں۔ جن کو اُدھر کھینچا وہ اُدھر کھنچ گئے۔ جن کو اِدھر کھینچ لیا وہ ادھر کھنچ آئے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کو حقیر کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ غرض ان سے بلا خوف اپنے سب امراض ظاہر کردو اور علاج کرو جو کچھ وہ بتلاویں۔ یہ ہے طریق خاص بندوں میں داخل ہونے کا جس کا اشارہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ میں ہے۔ اور یاد رکھو یہ وہ دولت ہے کہ اس کا آخرت میں تو خط حاصل ہو ہی گا۔ دنیا میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا وہ خط ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے کہ جنت میں آپس میں دوستوں میں ملاقاتیں ہوا کریں گی مجھے جنت کی تمنا ہوگئی ہے یعنی ملاقاتیں احباب فی اللہ یعنی اللہ کے بندوں کی اور اللہ کے بندوں میں شمار ہونا یہ جنت کی بھی اصل ہے۔ جنت اس کی شاخ اور فرع ہے گویا بالقوہ دنیا ہی میں جنتی ہے وہ شخص جس نے اللہ والوں کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق پیدا کیا۔ اب تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ یہ ثمرہ ہے اطمینان کا اور یہ طریقہ ہے اطمینان حاصل کرنے کا۔ دیکھا آپ نے اطمینان کیا چیز ہے۔ گویا دنیا کا بھی نفع اور دین کا بھی نفع۔ اسی کو فرماتے ہیں: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ ہوشیار ہو کر سن لو قلوب کا اطمینان صرف ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں۔

لذت کی پڑیا

اس کے بعد اب ضرورت نہ ہوگی کسی کو پریشان ہونے کی۔ اگر پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو۔ مثلاً بے اولاد ہو یا کوئی بیماری ہے جس سے تنگ آگئے ہو تو اصلی علاج یہ ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرو۔ پھر دیکھنا کہاں ہے پریشانی امراء کو ناز ہے اپنے پلاؤ قورمہ پر۔ اہل اللہ کو اپنے روکھے سوکھے ٹکڑوں میں وہ مزا ہے جو ان کو پلاؤ قورموں میں بھی نہیں۔ میں ان چیزوں کے کھانے کو منع نہیں کرتا۔

مطلب میرا اس کہنے سے یہ ہے کہ آپ کو ایک مزہ گھی کا ہے اور ایک مزہ گوشت کا۔ ان کو تیسرا مزہ اس تصور کا ہے کہ یہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے محبوب کے ہاتھ کی ملی ہوئی مٹھائی ہے۔ جب یہ تصور جم گیا پھر واللہ ان کو اس تصور میں وہ مزہ آتا ہے جو امراء کو پلاؤ قورمہ میں بھی میسر نہیں۔ اصلی پڑیہ جو لذت کی ان کے پاس ہے وہ تو یہ ہے۔ چوتھے بھوک کا مزہ ہے۔ ان کا معمول ہے کہ جس روز بھوک نہیں لگتی اس روز کھانا بالکل ناغہ کر دیتے ہیں پھر اگلے وقت کس مزہ سے کھاتے ہیں۔ امراء کے یہاں یہ ہے کہ خادم نے اطلاع کی حضور کھانا تیار ہے۔ حضور نے سوچا کہ بھوک ہے یا نہیں۔ بھلا وہ بھوک ہی کیا جس کے معلوم کرنے کے لئے مراقبہ کی حاجت پڑے کہا کچھ بھوک تو ہے نہیں خادم نے عرض کیا کچھ تو حضور کھالیں (نہیں تو سوکھ کے کھجور نہ ہو جائیں گے حضور) حضرت نے صرف اس ضرورت سے کہ معمول قضا نہ ہو کہا اچھا لے آؤ۔ لاحول ولاقوۃ یہ بھی کوئی وظیفہ ہے کہ قضا نہ ہونے پاوے۔ پانچویں یہ لذت ہے کہ مثل امراء کے انکا یہ معمول نہیں کہ متعدد کھانے کھائے جاویں۔ جو ایک کھانے میں مزہ ہوتا ہے وہ متعدد کھانوں میں کہاں متعدد کھانا کھانا اصول طب کے بھی تو خلاف ہے۔ موجز(۱) میں ہے و کثـرۃ الالوان محیر للطبیعۃ ۔ کئی چیزیں اگر کھائی جاویں تو معدہ اچھی طرح ہضم نہیں کرتا کیونکہ طبیعت متحیر ہو جاتی ہے اور طبیعت بعد کھانے کے تو متحیر ہوتی ہی ہوگی کھانے سے پہلے بھی اس طرح متحیر ہوتی ہے کہ اسکو کھاؤں یا اس کو۔ خیر آدھی بھوک اس میں سے کھایا آدھی بھوک اس میں سے۔ پھر تیسری چیز نے کہا مجھے بھی کھاؤ۔ آدھی بھوک کی قدر اس میں سے بھی کھالیا۔ غرض ڈیڑھ بھوک کھا گئے۔ پیٹ ہے یار بڑ کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ آخر میں مروڑ پڑے کہیں نمک سلیمانی کھا رہے ہیں کہیں چورن پھانک رہے ہیں ارے

(۱) طب کی ایک کتاب کا نام ہے۔

اتنا کھایا ہی کیوں تھا ایسے بد مذاق لوگ بھی موجود ہیں۔ کانپور میں ایک صاحب نے میری دعوت کی جس میں انہوں نے بجائے روٹیوں کے پراٹھے پکوانے چاہے میں نے کہا، میں پراٹھا نہیں کھا سکتا کیونکہ مجھے ہضم نہیں ہوتا تو ایک اور صاحب کیا فرماتے ہیں کہ کیوں ہضم نہیں ہوتا معدہ کا علاج کرنا چاہیئے ہضم کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کوئی میں اپنا علاج کرونگا تمہارے پراٹھے کھانے کے لئے تو وہ حضرات اکثر ایک کھانا کھاتے ہیں اور بڑے لطف سے کھاتے ہیں امراء اس لطف کے لئے ترستے رہ جاتے ہیں۔ ہم نے بھی مولانا شاہ فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ صاحب گنج مراد آبادی کے یہاں اکثر ارہر کی دال اور روٹی کھائی تھی۔ جو مزہ ان کے اس کھانے میں آیا وہ بڑی بڑی دعوتوں میں بھی نہیں آیا۔ اس دال پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ یاد آیا۔ ان کے یہاں کوئی رئیس مہمان آئے۔ گھر والوں نے پوچھا کہ کیا پکانا چاہیئے۔ فرمایا بس دال روٹی بھیجدو۔ عرض کیا گیا کہ حضرت یہ لوگ ایسے ایسے لذیذ کھانوں کے کھانے والے ہیں۔ بھلا ان کو دال کیا پسند آئے گی۔ فرمایا کہ میاں کل جدید لذیذ۔ ان کے لئے تو نئی چیز یہی ہے انہیں مزیدار ہی کھانا کھلانا چاہیئے۔ خیر یہ تو لطیفہ تھا مطلب یہ تھا کہ خوشامد کی کیا ضرورت ہے وہاں کسی کی خوشامد نہ تھی۔ غرض ان کو کھانے میں بھی بڑا لطف آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سارے چین حالی قالی مالی ظاہری باطنی روحانی جسمانی دنیوی اخروی اگر ہیں تو اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو۔ وہ افلاس میں بھی راضی۔ مرض میں بھی راضی۔ تکلیف میں راضی۔ مصیبت میں بھی راضی۔ غرض سب پر راضی۔ کسی حالت پر ناراض ہی نہیں۔

حکایت

اب میں ایک حکایت حضرت بہلول کی نقل کر کے پھر ختم کرتا ہوں۔ حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا میاں اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو اس کی خواہش کے موافق نہ ہوتا ہو۔ حضرت بہلول نے عرض کیا کہ حضرت ایسا کہاں سے ہوسکتا ہے یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا فرمایا جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کردیا ہو اس کی خواہش کے خلاف کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خدا کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے اور اس شخص کی خواہش خدا کی خواہش میں فنا ہوکر عین خواہش حق ہوگئی ہے۔ لہذا جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے۔ اور جب خواہش کے موافق ہے تو خواہ کسی حالت میں بھی ہو چین میں ہے۔ خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ بس ذکر اللہ ہی ٹھیری ایک چیز جس میں چین اور اطمینان منحصر ہے اور جس کا طریقہ بھی معلوم ہوگیا۔ اس طریقہ کا معین ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اور ان کی نعمتوں کا مراقبہ۔ اس مجموعی طریق پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ حالات پیدا ہونگے جس کو ذکر حقیقی کہہ سکتے ہیں۔

خلاصہ طریق

خلاصہ طریقہ کا یہ ہے کہ کسی صاحب کو اپنا رہبر تجویز کرو اور اُس کی پیروی کرو اور اسکے دامن کے سایہ میں رہ کر زندگی ختم کردو۔ اس کے سوائے نہ کہیں چین ہے نہ آرام۔ میں پھر وہی شعر پڑھتا ہوں ؎

ہیچ کنجے بے ددو بے دام نیست — جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں کہہ چکا۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

ثم بحمد اللّٰہ الذی بنعمته تتم الصالحات (۱)

---

(۱) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ذکر و فکر کی توفیق سے نوازے تاکہ قلبی راحت حاصل ہو۔

خلیل احمد تھانوی
یکم شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ